UNIVERSAL LIBRARY
OU_222389
UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ٨٩١٫٤٣١٥ ن

Accession No. U 1077

Author قدسی، اسدالرحمن سید

Title لغات کلام قدسی

This book should be returned on or before the date last marked below.

نغمات

اثر

حقائق آگاہ معارف دستگاہ حضرت مرشدِ عالم سیّد اسد الرحمٰن قدسی

دامت برکاتہم

مطبوعہ

لطیفی برقی پریس دہلی دروازہ دہلی

حضرت لسان الغیب علامۂ سید اسد الرحمٰن قدسی
اعلی اللہ مقامہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

از ادیب جلیل مولوی محمد یوسف صاحب قیصر

شاعری ادب وانشا میں شاعری کو ایک ممتاز جگہ حاصل ہے۔ نثر نویسی کا کام تو اکتسابی قابلیت سے ہر شخص انجام دے سکتا ہے لیکن نظم نویسی ایک وہبی چیز ہے جو " ایں سعادت بزور بازو نیست + تا نہ بخشد خدائے بخشندہ" ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ طبیعت کا موزوں ہونا۔ جذبات و تخیلات کو ان گوناگوں پابندیوں اور عوائد کے ساتھ نظم کرنا بہت ہی مشکل کام ہے جو اساتذہ عروض و نحو نے پیدا کر دئے ہیں۔

غزل کی دشواریاں نظم نویسی میں سب سے مشکل شعبہ رباعی کے بعد غزل کا ہے۔ اگرچہ غزل گوئی ایک عام چیز ہے لیکن سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ اس کا میدان کس قدر تنگ ہے اور مسلسل خیالات کو اس میں ظاہر کرنا بے حد دشوار ہے، ایک ہی شعر میں پابندیوں کا لحاظ کرتے ہوئے ہر نوع کے تخیل کی ابتدا ہوتی ہے

اور اسی پر انتہا ہوتی ہے اور اس طرح ایک شاعر کے وہ جذبات جو سمندر کی طرح موّاج ہوتے ہیں ایک کوزہ میں بند ہو جاتے ہیں۔

غزل مشرقی ادب کی پیداوار ہے

غزل صرف ایشیا کی پیداوار ہے اگرچہ یونان کے قدیم علم ادب میں دعا اور مناجات کے بعض اشعار ملتے ہیں لیکن یہ چیز التزام کے ساتھ نہیں ہے۔ غزل تو اپنے رنگ میں ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتی ہے اور علم ادب کا ایک لطیف شاہکار ہے۔

غزل میں غیر مانوس الفاظ کا استعمال

اردو زبان میں غزل کا مسافر زبان کی غیر وسعت پذیر وادیوں میں بھٹکتا رہتا ہے اور سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ سادہ الفاظ کو چھوڑ کر جو دل نشین اور مؤثر ہیں دوسری زبانوں کے گراں بار الفاظ استعمال کرے۔ دور حاضر کے اکثر شعراء نے غزل کی زبان کو ناقابل فہم بنا دیا ہے جس نے شاعر کے خیالات سے سخن فہم حضرات کو استفادہ کا بہت کم موقع دیا ہے۔

شستہ زباں میں کیجئے قدسی بیان حال
اظہار مدعا کو نہیں حاجت لغات

اکثر اساتذۂ فن کی غزلیں سادگی اور سلاست کا بہترین نمونہ ہیں جن میں ان کے جذبات و تخیلات صاف ستھرے پانی کی گنگا جمنا بن کر بہتے چلے جاتے ہیں۔

"کلام قدسی" مرشدِ عالم حضرت اسد الرحمٰن قدسی مدظلہ العالی کا زیر تبصرہ کلام بھی غزلوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو اپنے اندر بے حد دلکشی اور تاثرات رکھتا ہے۔ اس کلام میں زبان کے منہیات کی کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جو دوسرے غزل گو شعرا کے یہاں موجود ہے اور جس سے پایا جاتا ہے کہ غزل لکھتے وقت وہ تمام ذمہ داریاں حضرت کے پیش نظر رہیں جو زبان اور ادب و انشا کی طرف سے ایک شاعر پر عائد ہیں۔

غزل ایک لطیف ذریعہ ہے حقیقت یہ ہے کہ دلنشین اثرات کے لئے غزل نہایت ہی لطیف ذریعہ ہے۔ ایک شاعر اپنے خیالات کو جس بہتر طریق پر مخاطب کے دل و دماغ میں پہونچا دیتا ہے اور جو غیر فانی اثر پیدا کر دیتا ہے یہ بات دوسری چیزوں سے مشکل ہے اور اس معاملہ میں ایک خطیب سے ایک شاعر کا درجہ افضل ہے۔

عشق و محبت کی آواز اگرچہ غزل کا مقصد "عشق و محبت" رکھا گیا ہے اور یہ عام طور پر محبت کی سرزمین ہے لیکن اس کے پردہ میں بہت سے نغمات پیدا کئے جا سکتے ہیں اور ایک شاعر اگر چاہے تو ہر قسم کے مسائل و معاملات کو اس کے ذریعہ سے دل نشین بنا سکتا ہے۔ عشق و محبت سے انسان کا لگاؤ زیادہ ہے اور دنیا میں یہی ایک چیز ہے جس نے نہ صرف ادب و انشا میں روح پیدا کی بلکہ انسان کے ہر شعبہ حیات میں اسی کی

کارفرمائیاں ہیں اور بغیر اس کے زندگی کے مسائل کا حل ہونا غیر ممکن ہے
اس لئے اگر ایک شاعر اپنے خیالات کو خواہ وہ کسی نوع کے ہوں
عشق و محبت کی زبان سے سنائے تو اس سے بہتر اُس کی اشاعت،
مقبولیت اور اثرات کے غیر فانی صورت میں دلوں پر نقش پذیر ہونے کا
اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

حضرت اقدس مدظلہ کو ابتدا ہی سے روحانیات و لطائفِ معرفت و حقیقت سے شوق کامل ہے اس لئے اسی قسم کے جذبات و تخیل کو عشق و محبت کی زبان سے جس حُسن ادا کے ساتھ ظاہر فرمائے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ ممدوح نے اُس چیز کو حاصل کرلیا جو دوسرے شعرا کی نظر سے پوشیدہ ہے۔

حضرت اقدس مدظلہ کا کلام اگرچہ بظاہر عشق و محبت کی ایک دلکش داستان ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے معرفت و طریقت کے مسائل کو اس آسانی اور خوبی سے حل کر دیا کہ وہ دل نشین اثرات کے ساتھ مخاطب دماغ کو متاثر کرسکے اور ادبی دلچسپیوں کے ساتھ وہ اُن نکات اور معارف سے بھی آگاہ ہوجائے جو کثیر الحجم اور ضخیم کتابوں کی ورق گردانی سے شاید حاصل نہ ہوسکیں۔

کیفیت و تاثرات — شاعری میں صرف الفاظ ہی کام نہیں دیتے ہیں اور شعر کی عروضی ترتیب

اور نحوی ترکیب سے ہی ذوق قلب کی تشنگی دور نہیں ہوتی بلکہ ان چیزوں کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جو شاعری کی روح رواں بلکہ شاعری کا حقیقی مقصد ہے اور وہ چیز ہے شعر کی کیفیت اور اس کے تاثرات۔ جو الفاظ کی حدود سے اگرچہ باہر ہیں لیکن ان ہی کی زبان سے یہ چیز پیدا ہوتی ہے۔ دماغ میں جگہ پاتی ہے اور حالات کے لحاظ سے اس کی قدر و منزلت کی جاتی ہے۔

جذبات

اس میں شک نہیں کہ الفاظ جذبات و تخیل کا آئینہ ہیں اور ان ہی سے کیفیت شعری معلوم ہوتی ہے لیکن یہ چیز ان سے بالکل علیحدہ نظر آتی ہے۔ رنج و غم، فکر و آلام، عیش و نشاط، درد و کرب خلش و طپش اور اسی قسم کے جذبات اگرچہ الفاظ میں بیان کئے جاتے ہیں اور کوشش کی جاتی ہے کہ یہ تصویر الفاظ کا جامہ پہن کر نظر کے سامنے آئے لیکن تاثرات کو اس سے کوئی نسبت نہیں ہوتی وہ لا معلوم طریق پر الفاظ پر چھائے ہوتے ہیں اور دیکھنے اور پڑھنے کے ساتھ ہی دماغ میں جا کر اپنا عمل کرتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ سامع اور قاری کی استعداد طبیعت پر ان کے جذب و اثر کا انحصار ہے۔

شاعر کی ”سیرۃ“

وہ لوگ جو شاعری کا صحیح ذوق رکھتے ہیں اور حقیقی طور پر ان کے دل و دماغ اس سے اثر پذیر ہوتے ہیں وہ شاعر کے صرف کلام و اشعار سے

اس کے خیالات ہی معلوم نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کے حالات زندگی سے بھی باخبر ہو جاتے ہیں وہ معلوم کر لیتے ہیں کہ اس کا دماغ کیسا ہے اس کے جذبات کیا ہیں، وہ کس قسم کے خیال کا انسان ہے یہی نہیں بلکہ یہ چیزیں بھی ان کے علم میں آجاتی ہیں کہ شاعر کیا اوضاع و اطوار رکھتا ہے اُس کی زندگی کا مقصد کیا ہے وہ کیا چاہتا ہے کن چیزوں سے اس کو رغبت اور کن چیزوں سے نفرت ہے۔ شاعری شاعر کے خصائل کی بھی آئینہ دار ہوتی ہے اس کے تمام اوصاف ایک ایک کر کے نظر کے سامنے آجاتے ہیں۔ غرض کہ اگر کوئی صحیح ذوق رکھنے والا انسان چاہے تو وہ شاعر کی تمام سیرت صرف اس کے اشعار سے مرتب کر سکتا ہے اور یہی ایسی چیز ہے جس میں بہت کم مبالغہ کی گنجائش ہوتی ہے کیونکہ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ شاعر کی زبان سے' اسی کے اشعار سے، گویا شاعر خود اپنے حالات، خصائل، کردار، اعمال افعال اپنی زبان سے مخاطب کو سناتا ہے لیکن اس کے لئے "گوش شنوا" ہونی چاہئیں یعنی ایسا ذوق سخن فہمی جو اخذ نتائج کا حامل ہو۔ مگر اس کے لئے یہ ضرورت ہے کہ جس شاعر کے کلام سے اس کے حالات پر روشنی ڈالی جائے اس کے متعلق پہلے سے کوئی رائے قائم نہ کر لی گئی ہو ورنہ پھر اس میں کامیابی غیر ممکن ہے۔

حضرت اقدس مدظلہٗ کی شاعری

حضرت اقدس مدظلہٗ کی شاعری ایک روحانی شاعری ہے اگرچہ ممدوح کے کلام کی حقیقت کو ظاہر بیں آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں ممکن ہے کہ وہ عشق و محبت، وصل و فراق اور بادہ و مینا کی سرشاریوں میں رہ جائیں اور ان کا دماغ اس سے آگے نہ بڑھ سکے کہ وہ معرفت ربانی کے جلووں کو اس کی حقیقی روشنی میں دیکھ سکیں۔

سیرت کا اثر شاعری پر

حضرت اقدس مدظلہ کے کلام کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ممدوح کی زندگی کے تمام پہلو طریقت و سلوک اور انوار معرفت سے کس قدر تابناک و منور ہیں اور یہ تو لازمی ہے کہ جس انسان کی زندگی ابتدا ہی سے طریقت و معرفت میں گذری ہو اور اس منزل کی تمام سنگلاخ وادیوں سے گذر چکا ہو اُس کا کلام دنیوی نقطۂ نظر سے اگرچہ کتنا ہی دلچسپ اور دلکش ہو لیکن وہ اپنے اندر تجلیات باطنی کی ایسی جلوہ ریز شعاعیں رکھتا ہے جو دلوں کو انوار الٰہی سے معمور کر دیتی ہیں اور انسانی دل و دماغ کو کیفیات سلوک و طریقت سے سرشار بنا دیتی ہیں۔

دیوانہ ہے تو جس کا قدسیؔ — پروانہ ہے تو جس کا قدسیؔ
دیکھ اپنے ہی دل میں غافل دیکھ — آئینہ میں ہے تصویر وہی

قدسیؔ کہاں نہیں ہیں کسی کی تجلیاں
وسعت ذرا نگاہ میں پیدا کرے کوئی

پہلا مجموعہ

حضرت اقدس مدظلہ کی غزلوں کا پہلا مجموعہ سنہ ۱۹۳۰ء میں طبع ہوا تھا جس میں حضرت محترم کی شاعری کے اختراعات فائقہ ہیں، جس کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت قبلہ معرفت و طریقت کے سالک نہ بھی ہوتے تو بحیثیت شاعر ہمارے ملک میں ایک ممتاز اور نمایاں جگہ کے مالک ہیں اور اس وقت بھی جب کہ تمام تر زندگی خدا کی یاد میں گذری ہے مبارک کلام اسرار طریقت کا ایک بے مثل گنجینہ ہے ہر شعر میں دلکشی کے ساتھ ایسے رموز بھی ہیں جو اہل درد کے لئے کیف آگیں ہیں۔

زیر تبصرہ کلام "نغمات" دوسرا حصہ ہے اور اس میں بھی جو اسرار و غوامض کے سمندر ہیں وہ ایک طرف ادب و انشا میں زندگی کی موجیں پیدا کر رہے ہیں اور دوسری طرف معرفت و حقیقت کی سازگار ہواسے، کشتی شکستگان کو ساحلِ مقصود پر پہونچا رہے ہیں۔

سفینہ گھومتا پھرتا ہے گرداب حوادث میں
مری نظروں سے کوسوں دور ہے تصویر ساحل کی

تقدس مآب حضرت اسدالرحمٰن قدسی مدظلہ العالی اُن روحانی پیشواؤں میں ہیں جو ہندوستان کیا بلکہ تمام عالم اسلام کے لئے باعث فخر ہیں۔ ممدوح کی تمام تر زندگی ریاضت، مجاہدہ اسرار طریقت

و معرفت میں گذر گئی اور گذر رہی ہے۔ اس حالت میں شاعری بھی ایک ایسی ریاضت ہے جس سے دوسروں کو ایک علمی، ادبی اور روحانی فیض حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ جو اسرار و رموز حضرت محترم کے اشعار میں ہیں ان کا سمجھنا تو ایک امر محال ہے، پھر بھی عام دلچسپی کے لئے جو پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے اس سے حضرت محترم کے ذوق تغزل کی پختگی کا ثبوت ملتا ہے۔

حُسن ادا و خوبی بیان

غزلوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حُسن ادا اور خوبی بیان کا بہتر سے بہتر پہلو اختیار کیا گیا ہے جس قدر طرز ادا اچھا ہوگا بیان میں لطافت پیدا ہوگی۔ ایک مضمون کو ہزار طریقہ سے بیان کیا جاتا ہے اور اس سے کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا لیکن کوئی دردمند فصیح البیان کچھ اس انداز سے ادا کرتا ہے کہ قلب پر جادو کی طرح اثر ہوتا ہے

دیکھا جو نور اُس رُخ بے نقاب کا — شبنم کی طرح رنگ اُڑا آفتاب کا
اک بار اور میری طرف مسکرا کے دیکھ — اک جام اور دے مجھے ساقی شراب کا

کہاں کا جلوا، حجاب کس کا، ادائیں کیسی، شباب کس کا
خدا ہی جانے کہ دل ہوا ہے مرا تباہ و خراب کس کا
کلی کلی مسکرا رہی ہے، نسیم نکہت فشاں ہوئی ہے

نہ جانے پھولوں پہ چھا گیا ہے چمن میں رنگیں شباب کس کا

تمہاری آنکھوں کی مستیوں نے بھرے ہیں جذبات کیف دل میں

نشاط بزم سرور کیسی، سرور جام شراب کس کا

لذّتِ آلام — حضرت اقدس مدظلہ کے کلام میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ مصائب و آلام سے بجائے فریاد کے ایک گونہ لذت کی چاشنی محسوس فرماتے ہیں۔

سازِ شکستہ کیوں دلِ خاموش بن گیا تارِ نفس میں کیا کوئی نغمہ نہیں رہا

ہزار عالم حسرت ہیں دل کی دنیا میں خدا ہی جانے کہ کس کس میں مبتلا ہوں میں

محاکات — محاکات کا رنگ بھی حضرت مدظلہ کے کلام میں ہے جس میں مناظر فطرت، واردات عشق اور دیگر مواقع کا نقشہ اس طرح کھینچ دیا ہے کہ شعر پڑھتے ہی آنکھوں کے سامنے تصویر کھنچ جاتی ہے۔

وہ بھی کچھ آبدیدہ ہوئے، چارہ ساز بھی کیا میری زندگی کا بھروسا نہیں رہا

مجھ کو جواب دیکر شرمندہ ہو رہے ہیں اُن کا جواب خود ہی اُن کا جواب نکلا

اثر دل نشینی — اثر دل نشینی کے لحاظ سے حضرت قبلہ مدظلہ کا تمام کلام تاثرات اور درد کا مسکن ہے۔

اک تبسم، کائناتِ زندگی اک تجلی مدعائے دردِ دل

وہ بھی مجھ کو دیکھ کر گھبرا گئے   دیکھئے اب کیا دکھائے دردِ دل

ترتیب کلام

اس مجموعہ کی ترتیب بھی اُس شاعرانہ رسم و رواج کے خلاف ہے جو مدت دراز سے چلی آتی ہے، غزلیں باعتبار مضامین اور مفہوم و مطالب و بیان ایک جگہ آگئی ہیں اور اس کے لئے پڑھنے والے کو زیادہ پریشان نہیں ہونا پڑے گا۔ امید ہے کہ یہ ترتیب کلام بالعموم پسند کی جائے گی۔

تجلّیات جو پیدا ہوئی تھیں دشت سینا میں
عیاں ہیں ذرہ ذرہ سے وہ میرے دل کی دنیا میں

توضیح کلام

شاعر کا کلام کسی تشریح و توضیح کا محتاج نہیں ہوتا ہے اور نہ شاعر کے اصلی مخاطب وہ اصحاب ہیں جو اس کے کلام کے معانی و مطالب سمجھنے سے عاری ہیں، وہ کیفیت جو شعر سُننے کے بعد قلب پر طاری ہوتی ہے حقیقت یہی ہے کہ وہی کیفیت شعر کی اصلی تشریح و توضیح ہے

ذوقِ سخن فہمی

جو لوگ ذوقِ سخن فہمی سے عاری ہیں یا وہ کسی خاص کلام سے کوئی ذوق و شوق نہیں رکھتے ہیں اور ان کے قلب پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے وہ لوگ کسی حالت میں شاعر کے اصلی مخاطب نہیں ہیں اور نہ ان کے لئے اُس شاعر کے کلام میں کوئی ایسی چیز ہے جو ان کو دعوت دے سکے۔

شرحِ اشعار

اکثر اردو شعرا کے کلام کی شرحیں تیار ہوئی ہیں جو مستقل طور پر ایک تصنیف کا درجہ رکھتی ہیں اور اکثر شاعروں کے ذوق خصوصی کے تحت میں ان کے کلام کی شرح و تفسیر بیان کی گئی ہے لیکن وہ کسی وقت قلب پر اثر انداز نہیں ہوتی اور نہ اس سے قلب کو کوئی تسکین ہوتی ہے بلکہ طبیعت میں ایک انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور وہ وجدان و کیفیات جو شعر سننے اور پڑھنے کے بعد قلب پر طاری ہوتی ہیں اور جن کو سامع یا قاری کا ذوق صحیح اور بمقدار اُس کے ذوق کے شعر کی توضیح کہا جا سکتا ہے بالکل فنا ہو جاتا ہے اور وہ ایک عجیب الجھن میں گرفتار ہو جاتا ہے کہ شارح اور مفسّر کے منشار کے مطابق اپنے ذوق و کیفیت میں تبدیلی پیدا کرے یا نامعلوم طریق پر شعر سے جو کیفیت اُس کے قلب میں پیدا ہوئی ہے اس سے محظوظ ہوتا رہے۔

میری ذاتی رائے

حضرت اقدس مدظلہ کے اشعار پڑھنے کے بعد میرے قلب میں جو خاص کیفیت پیدا ہوئی ہے ممکن نہیں ہے کہ اس کو الفاظ کا جامہ پہنایا جائے لیکن حضرت محترم کے جستہ جستہ اشعار اس موقع پر لکھتا ہوں۔ حضرت مدظلہ کا کلام ایک تبلیغی کلام ہے جو اپنے اندر ایسی جذب و کیفیت رکھتا ہے کہ لوگوں کی صحیح ذوق شاعری میں داخل ہو جائے گا اور اپنے لیے ایک نمایاں جگہ پیدا کرلے گا۔ میرا خیال ہے کہ حضرت محترم کا کلام اگر

اس کی کافی اشاعت کی گئی اکثر دماغوں کو روشن اور پر نور بنا دے گا اور وہ اس روشنی میں اپنے ذوق سخن فہمی کو ترقی دیں گے ۔

ذوق دیدار اگر رہبر کامل ہوتا
چل کے دو چار قدم میں سر منزل ہوتا
حُسن کا حسن یہی ہے کہ ہے طالب عشق
عشق کیوں بندگِ حُسن سے غافل ہوتا
دیکھتا میں انھیں قدسی مگر اس شرط کیساتھ
اُن کے جلوے کے سوا کوئی نہ حائل ہوتا

رُخ سے اُٹھا بھی دیجیے پردہ حجاب کا
پردہ ہے آفتاب بھی خود آفتاب کا

ہیں یہی طوفاں جو امواجِ تلاطم خیز میں
ایک دن کشتی پہونچ جائے گی ساحل کے قریب
بے خبر راہ کی پیچیدگیاں کیا جانے
اس سے پوچھے کوئی کھو جائے جو منزل کے قریب

زاہد کی عبادت بھی حوروں کی محبت ہے
بنیاد میں کعبہ کی مستور ہے بُت خانہ
بدمست شرابی ہوں جب کالی گھٹا چھائی
گردوں پہ نظر آیا اڑتا ہوا مے خانہ
کیفِ مے الفت ہی یا جان مسرت ہے
تا حدِ نظر پایا اک جلوۂ جانانہ
پھر عقل کی باتیں ہیں پھر ہوش کے تیور ہیں
تو آ کے تصور میں کر دے مجھے دیوانہ

کیوں ہے ہراس تجھکو روز جزا کا قدسی
رحمت تو ڈھونڈھ لے گی بخشش کا ایک بہانہ

ساقیِ پاکباز نے تازہ حیات بخش دی   حوصلے پھر بڑھا دیئے مُنہ سے لگا کے جام کو

بزمِ نشاط سے غرض، کام نہ ذوقِ دید سے   ایک نگاہِ ناز نے کر دیا مجھ کو بے نیاز
سیکڑوں اہلِ دل ملے سیکڑوں باصفا مگر   قدسیِ باخدا کہاں آپ کی شان امتیاز

کام کیا ہے رہ روانِ عشق کو اسباب سے   بام پر جانے کو سایہ بے نیازِ زینہ ہے

قدسی کہاں نہیں ہیں کسی کی تجلیاں   وسعت ذرا نگاہ میں پیدا کرے کوئی

تمام عمر رہی آپ سے بھی بے خبری   جہانِ ہوش رہا یوں خرابِ جلوہ گری

ہیں کرم پر بھی فدا ہوں میں ستم پر بھی نثار   بندہ پرور! آپ کا احسان ہی احسان ہے

تابِ نظارہ ہی جب دل میں نہ ہو   تابشِ جلوہ کا کیوں چرچا کریں

اگر میں کام لوں وحشت میں اپنے جذبۂ دل سے
چمن کی نزہتیں کھنچ کھنچ کے آجائیں بیاباں میں

جنونِ موسمِ مستی پناہیں ڈھونڈھ لیتا ہے
کہیں آغوشِ داماں میں کہیں چاکِ گریباں میں

افسانے رنگ و بو کے مجھے یاد ہی نہیں — گلچینِ حُسن میں ہوں مجھے گل سے کیا غرض
وحشت میں جو زباں پر آیا وہ کہدیا — بے ربط مدعا کو تسلسل سے کیا غرض

مکرمی جناب سید ابرار حبیب صاحب قابل تشکر ہیں جو "نغمات" کو بترتیب جدید نہایت اہتمام سے شائع کر کے اصحاب ذوق کو دعوت مطالعہ اور اہل درد کو استفاضہ کا موقع عنایت کر رہے ہیں - خدا تعالیٰ موصوف کی مساعی جمیلہ کو مشکور فرمائے - یہ مجموعہ اردو ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے بلکہ "نغمات" ایک ساز حقیقت ہے جو بزم کی بزم کو مست و بے خود بنا رہے ہیں - خدا کرے کہ یہ آواز ہمیشہ کانوں میں آتی رہے -

نغمات سوز و ساز کی وارفتگی تو دیکھ
قدسی کا ہر نفس ہے جواب ربابِ عشق

دیرینہ وفا کیش
قیصر

۲۵ / اگست ۱۹۳۸ء

نغمات

از

حضرت مرشد عالم سید اسد الرحمن قدسی

اعلی اللہ مقامہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جو ترے میکدۂ حسن میں سرشار نہ تھا — میرے نزدیک وہ بے ہوش تھا ہشیار نہ تھا
میں ہوں اُسوقت سے حیرت زدۂ برقِ جمال — جب فرشتہ بھی کوئی طالب دیدار نہ تھا
میری تخلیق نے وہ راز کیا ہے افشا — جو کسی طرح سے بھی قابلِ اظہار نہ تھا
تھی اسی شان سے آبادی دنیا لیکن — مجھ سے پہلے کوئی لذت کشِ آزار نہ تھا
لاکھ جانیں مری اس وسعتِ رحمت پہ نثار — وہ نوازش ہے کہ جیسے میں گنہگار نہ تھا

حیرتِ جلوۂ جاناں کا تماشا قدسی
دیکھتے سب تھے مگر کوئی بھی ہشیار نہ تھا

ترا حُسنِ روح پرور جو کبھی دوچار ہوگا — تو سکوت عشق میرا لبِ نغمہ بار ہوگا
دل عشق مدعا میں اگر اضطرار ہوگا — وہی رفتہ رفتہ اکدن غمِ خوشگوار ہوگا
میں وفا و فا سراپا تو ادا ادا مجسّم — یہی نو بہ نو فسانہ کبھی یادگار ہوگا
مرا رنج و غم مبارک مرا درد دل سلامت — اُنھیں کیا مزا ملے گا جو مجھے قرار ہوگا
شب غم سکون حاصل نہ شب امید تسکیں — دل بے قرار آخر تجھے کب قرار ہوگا
مجھے حُسنِ رُخ دکھا کر نہ ہنسو مرے جنوں پر — کہ جہاں بہار ہوگی اثر بہار ہوگا

یہ تری نشیلی آنکھیں نہ ملیں گی جن سے ساقی　　نہ وہ مستِ عشق ہوگا نہ وہ میگسار ہوگا

نہ مجھے دعا سے مطلب نہ فغاں سے کام قدسی
غمِ دل دیا ہے جس نے وہی غم گسار ہوگا

کیوں طالبوں کو ذوقِ تماشا نہیں رہا　　اے حُسن تجھ میں کیا کوئی جلوہ نہیں رہا
کیا ظلمتوں نے گھیر لیا نورِ عشق کو　　رعنائیوں کا رنگ مجلّا نہیں رہا
سازِ شکستہ کیوں دلِ خاموش بن گیا　　تارِ نفس میں کیا کوئی نغمہ نہیں رہا
وہ بھی کچھ آبدیدہ ہوئے، چارہ ساز بھی　　کیا میری زندگی کا بھروسا نہیں رہا

تکمیل باطنی کی یہ قدسی دلیل ہے
تدبیرِ ظاہری پہ بھروسا نہیں رہا

رُخ سے اُٹھا بھی دیجیے پردہ حجاب کا　　پردہ ہے آفتاب بھی خود آفتاب کا
کیوں حُسن دیکھیے کسی مست شباب کا　　کیا اعتبار ہے دلِ خانہ خراب کا
دیکھا جو نور اُس کے رُخِ بے نقاب کا　　شبنم کی طرح رنگ اُڑا آفتاب کا
اک برق تھی کہ جلوۂ حُسنِ نظر فروز　　کیا حال پوچھتے ہو مرے اضطراب کا
ہنگامۂ تسلسلِ نغمہ بنا ہوں میں　　تارِ نفس جواب ہے تارِ رباب کا
اک بار اور میری طرف مسکرا کے دیکھ　　اک جام اور دے مجھے ساقی شراب کا

قدسی فنا نصیب ہے دنیا کی ہر بہار
ذرّہ بھی پائے گا نہ کوئی آفتاب کا

ذوقِ دیدار اگر رہبرِ کامل ہوتا
چل کے دو چار قدم میں سرِ منزل ہوتا

لطف کیا کیا نہ ترے عشق کا حاصل ہوتا
کاش رگ رگ میں تڑپتا ہوا اک دل ہوتا

حُسن کا حُسن یہی ہے کہ رہے طالبِ عشق
عشق کیوں بندگیِ حسن سے غافل ہوتا

عشق میں باغ بنا بھی دلِ پُر داغ تو کیا
سیر جب تھی کہ تری سیر کے قابل ہوتا

دیکھتا میں اُنھیں قدسیؔ مگر اس شرط کے ساتھ
اُن کے جلوہ کے سوا کوئی نہ حائل ہوتا

اگر غبار نہ ہو دل میں خود ستائی کا
تو آئینہ ہے یہی اک خدا نمائی کا

ہر اضطراب محبت کو جان وجہِ سکوں
یہی تو وقت ہے اک صبر آزمائی کا

گذر گئی جو گذرنی تھی قلبِ مضطر پر
بس آپ حال نہ پوچھیں شبِ جدائی کا

وہ کوہ و دشت، وہ کانٹے، وہ آبلوں کی تپک
مزا اُٹھایا ہے کیا کیا برہنہ پائی کا

بہار آ کے گذر بھی گئی مگر قدسیؔ
کوئی ذریعہ نہ نکلا مری رہائی کا

حسرتِ دید میں عالم ہے یہ دیوانے کا
رُخ ہے کعبہ کی طرف قصد ہے بتخانے کا

بھا گیا مجھکو سماں اس لئے ویرانے کا
ہے یہ خاکہ مرے اُجڑے ہوئے کاشانے کا

ذرّہ ذرّہ ہے مرے حال پہ حسرت بکنار
یہ نتیجہ ہے مرے عشق کے افسانے کا

نظرِ صاعقہ انداز ادھر بھی ظالم
میں بھی مشتاق ہوں اس آگ میں جل جانے کا

آج کیا تو نے دکھا دی اُسے اپنی صورت
لوگ مُنہ دیکھ رہے ہیں ترے دیوانے کا

جب سے کی قدسی میخوار نے مئے سے توبہ
بزم ویران ہے در بند ہے میخانے کا

دیکھا جسے دل والا مستانہ بنا ڈالا — ہر حسن کے طالب کو دیوانہ بنا ڈالا
بدنام نہ کر دے گی تم کو مری رُسوائی — کیوں میری کہانی کو افسانہ بنا ڈالا
اے حُسنِ ازل یہ سب تیرے ہی کرشمے ہیں — ہر شمع کے پردے میں پروانہ بنا ڈالا
اس طرح نہ کرنی تھی جلووں کی فراوانی — تم نے تو زمانے کو دیوانہ بنا ڈالا

عُزلت میں ہے گو قدسی، رندی نہ گئی لیکن
ظالم نے یہاں بھی اک میخانہ بنا ڈالا

میخانۂ محبت کیا کامیاب نکلا — دل میں خیالِ ساقی روحِ شراب نکلا
دل میں رہے وہ، لیکن نظروں سے دور ہو کر — تسکین میں بھی مضمر اک اضطراب نکلا
بزمِ جمال میں دل معمورِ جلوہ پایا — سمجھے تھے جس کو ذرّہ وہ آفتاب نکلا
دیکھیں تو بزمِ کُن میں لاکھوں حسین شکلیں — ہاں حُسن ہی تمھارا اک انتخاب نکلا
بندہ نوازیوں کی حد ہی نہیں رہی ہے — حاصل گناہ کا بھی اصل ثواب نکلا
مجکو جواب دے کر شرمندہ ہو رہے ہیں — اُن کا جواب خود ہی اُن کا جواب نکلا

بربادیوں کا شکوہ کیا کیجئے کسی سے
دل ہی ہمارا قدسی خانہ خراب نکلا

اگر چاہو ہمیشہ کے لئے پُر جوش ہو جانا — تو اِک جلوے سے تھوڑی دیر کو بیہوش ہو جانا

فرازِ طور کے دلکش مناظر کا مرقع ہے
کسی کا جلوہ گر ہونا مرا بیہوش ہو جانا

اگر ذرّے مرے برباد دل کے تجکو مل جائیں
تو اے جوشِ جنونِ عشق ہم آغوش ہو جانا

مرا دل ایک سازِ عشق ہے اُس کی گتیں رنگیں
نفس کے تار کی اک چھیڑ ہے پر جوش ہو جانا

دلِ بے تاب! بزمِ ناز میں جاتا تو ہے، لیکن
مجسّم ضبط بن جانا سراپا ہوش ہو جانا

مرے جذبات میں اک تازگی سی آتی جاتی ہے
مبارک ہو گیا میرے لئے مے نوش ہو جانا

کروں کیوں منتِ بانگِ جرس آوارہ گردی میں
بدل دے گا تصوّر کو سراپا گوش ہو جانا

نظر مضراب بنکر جب ربابِ دل کو چھیڑیگی
تو پھر دیکھیں گے اے قدسی ترا خاموش ہو جانا

وہ کون تھا جو محوِ جمالِ بُتاں نہ تھا
مضمونِ رازِ دل کا کوئی ترجماں نہ تھا

نالہ تھا بیکسوں کا جو افلاک ہل گئے
بانگِ درا نہ تھی جرسِ کارواں نہ تھا

حُسنِ یقیں کی رفعتِ پرواز دیکھنا
ایسی فضا میں تھا کہ جہاں آسماں نہ تھا

پابندِ رسمِ ضبط کی ہمت پہ آفریں
رکھی زبان بند، مگر بے زباں نہ تھا

واماندگی سے رہ گئے ہم اُس جگہ جہاں
باقی نشانِ گردِ پسِ کارواں نہ تھا

اُس دشتِ ہولناک میں لائی ہمیں قضا
قدسی کوئی شریک کسی کا جہاں نہ تھا

جنونِ عشق کی یہ تیز دستی دیکھنا ہمدم
بہار آنے نہ پائی تھی کہ دامن میں گریباں تھا

خدا جانے کہ سب کیوں دعوتِ نظارہ دیتے تھے
محبت میں ہر اک منظر مری آنکھوں میں عریاں تھا

تری بزمِ نظر افروز سے اُٹھ کر نگاہوں میں
چمن کا منظرِ پُر نور بھی تاریک زنداں تھا
کہیں مقبول ہو جاتا نگاہِ حسن میں یارب
وہ اک جذبہ جو میری چشمِ حیرت سے نمایاں تھا

حُسن نے پھر حشر برپا کر دیا
دل کو پھر صرفِ تمنا کر دیا
مضطرب ہے ختم ہونے کے لئے
تم نے یہ بیمار کو کیا کر دیا
اپنے جلوے کی شعاعیں ڈال کر
ذرّے ذرّے کو تماشا کر دیا
جب ذرا تسکین دیکھی قلب میں
اُس نے پھر اک درد پیدا کر دیا
ہم غریبوں کا نظامِ زندگی
اُس نے جس حالت پہ چاہا کر دیا
ہائے اُس مجبور کی مجبوریاں
جس نے رازِ عشق افشا کر دیا
عشق کی رنگینیوں نے ہمنفس
زندگی میں حُسن پیدا کر دیا
اُس نے قدسی کے جہانِ فکر کو
بے نیازِ فکرِ دنیا کر دیا

یاد پھر آیا کوئی بھولا ہوا
درد پھر دل میں مرے پیدا ہوا
عشق میں بربادیوں کے بعد بھی
دل کا ہر ذرّہ ہے شرمایا ہوا
یاد ہے اب تک قفس کی زندگی
آشیانے میں بھی ہوں سہما ہوا
دل بدل ڈالے نظامِ زندگی
درد کو دیکھے جو کم ہوتا ہوا
خود مری دنیا پہ بجلی گر پڑی
اے وفورِ سوزِ دل یہ کیا ہوا

جب ہنسی آتی ہے رو دیتا ہوں میں — اس طرح بھی دل نہ ہو ٹوٹا ہوا

قطرہ انگور کا شراب بنا — ذرّہ چمکا تو آفتاب بنا
میری بربادیوں کی وسعت سے — منظرِ عالمِ خراب بنا
حُسن اور عشق کے توازن سے — دل بنا اور لاجواب بنا
رگِ جاں کھچ کے تارِ ساز بنی — ہر نفس نغمۂ رباب بنا
لاکھ جذبے ازل میں تھے، لیکن — عشق ہی حُسن کا جواب بنا
اُس کی برقِ نظر، ارے توبہ — دل کا ہر داغ آفتاب بنا

کون پردہ سے نمایاں ہوگیا — ذرّہ ذرّہ نور ساماں ہوگیا
دل ہوا جب سے حقیقت آشنا — بے نیازِ کفر و ایماں ہوگیا
اللہ اللہ حسنِ رنگیں کی بہار — دل مرا مثلِ گلستاں ہوگیا
حسن کا ہر عالمِ محشر نما — میری حالت سے نمایاں ہوگیا
قدسیِ آزاد کب تک یہ جنوں
دل کا ہر ذرّہ پریشاں ہوگیا

کہاں کا جلوہ، حجاب کس کا، ادائیں کیسی، شباب کس کا
خدا ہی جانے کہ دل ہوا ہے مرا تباہ و خراب کس کا

کلی کلی مُسکرا رہی ہے، نسیم نکہت فشاں ہوئی ہے
نہ جانے پھولوں پہ چھا گیا ہے چمن میں رنگیں شباب کس کا

وہ پوچھتے ہیں سبب جنوں کا، میں کہہ رہا ہوں کہ بندہ پرور
دلوں کو تسخیر کر رہا ہے فروغِ حُسنِ شباب کس کا

تمھاری آنکھوں کی مستیوں نے بھرے ہیں جذباتِ کیف دل میں
نشاطِ بزمِ سرور کیسی، سرورِ جامِ شراب کس کا

چمک ستاروں کی خوشنما ہے، فروغ بجلی کا جاں رُبا ہے
فضائے عالم پہ چھا گیا ہے جمال کس کا شباب کس کا

کہیں جلوہ گر تو نہیں ہوا وہ حسین بزمِ مجاز میں
مرے سجدے آج مچل رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں
بس ادب کہ عرشِ عظیم پر ترے نالے آج پہنچ گئے
تجھے کچھ خبر بھی ہے بے خبر کہ ہے کون پردۂ ناز میں

کبھی ہم بھی تھے بزمِ عشرتِ فردوس ساماں میں
کبھی یادش بخیر اپنا بھی چرچا تھا گلستاں میں
اگر میں کام لوں وحشت میں اپنے جذبۂ دل سے
چمن کی نزہتیں کھچ کھچ کے آجائیں بیاباں میں
حریمِ ناز سے جذبِ محبت کس کو لے آیا
کہ ذرّہ ذرہ روشن ہو گیا ہے بزمِ امکاں میں
زمانہ نے ورق اُلٹا ہے پھر تاریخِ ماضی کا
ہمارے دم سے ہے شہرہ جنوں کا پھر بیاباں میں
بہارِ لالہ و گل باعثِ تسکیں نہیں یا رب
کوئی جنت اُتر آئے نگاہِ شوق ساماں میں

جنون موسمِ مستی پناہیں ڈھونڈ لیتا ہے کہیں آغوش داماں میں کہیں چاک گریباں میں
پتہ دیتے ہیں اک گذرے ہوئے طوفان کا قدسیؔ
وہ آنسو منجمد ہیں آج جو آغوشِ مژگاں میں

وہ پھر رنگِ جنوں شوخی پہ آیا دل کی دنیا میں وہ پھر تازہ بہار آئی گلستانِ تمنا میں
تجلیات جو پیدا ہوئی تھیں دشتِ سینا میں عیاں ہیں ذرّے ذرّے سے وہ میرے دل کی دنیا میں
تصور کس کو لے آیا مری چشمِ تمنا میں جو ہر دم اک قیامت سی بپا ہے دل کی دنیا میں
میں جوشِ عشق کو رگ رگ میں یوں بے تاب پاتا ہوں کہ جیسے موجِ صہبائے کہن مضطر ہو مینا میں
اُٹھا لینا صبا آغوش میں اُن دردمندوں کو دلِ برباد کے ذرّے اگر مل جائیں صحرا میں
نگاہِ برق ساماں پھر تجسّس میں ہے کیا قدسیؔ
یہ کیسی ایک ہل چل مچ رہی ہے دل کی دنیا میں

اے خضر! طریقِ الفت میں ہمت ہے تو مشکل کوئی نہیں
گم کردۂ منزل کوئی نہیں آوارۂ منزل کوئی نہیں
دل عرشِ بریں دل کعبۂ دیں، اسرارِ مراحل کوئی نہیں
کیوں منزل منزل کہتے ہیں جب عشق میں منزل کوئی نہیں
کم ظرف کمال دکھا نہ ہمیں اُڑ اُڑ کے فضائے الفت میں
تکمیل کا تجکو دعوےٰ ہے حق یہ ہے کہ کامل کوئی نہیں
اے کاش، مجاز کے شیدائی ہوں ذوقِ حقیقت سے واقف

ہیں حُسن کے جلوے بے پردہ اور طالبِ کامل کوئی نہیں
ہاں بہہ جا بہہ جا موجوں میں طوفان میں چھوڑ اپنی کشتی
وہ بحر ہے یہ بحرِ الفت جس بحر کا ساحل کوئی نہیں
ارمانِ شہادت کامل ہو تو حُسنِ طلب بدنام نہ ہو
کیوں قاتل قاتل کہتے ہیں جب قتل کے قابل کوئی نہیں
اے جذبۂ دل اعجاز دکھا منزل سے پتہ منزل کا لگا
خضرِ رہِ الفت کوئی نہیں سنگ سرِ منزل کوئی نہیں
یہ عشق و حُسن کے افسانے جو کہتے ہیں وہ جھوٹے ہیں
جو بارِ محبت سر پہ اُٹھائے قدسی وہ دل کوئی نہیں

جب مسافر کوئی آجاتا ہے منزل کے قریب
درد کچھ محسوس ہوتا ہے رگِ دل کے قریب
نجد کے ذرّے چمک اُٹھے کہ قسمت قیس کی
چند شعلے سے نظر آتے ہیں محمل کے قریب
ہیں یہی طوفاں جو امواجِ تلاطم خیز میں
ایک دن کشتی پہنچ جائے گی ساحل کے قریب
دیکھئے آگے دکھائے کیا بصیرت کا فروغ
ایک چھالا تو نظر آنے لگا دل کے قریب

رسوائیوں کے اور بھی ساماں ہوئے ہیں آج
کیسے یہ دل کے داغ نمایاں ہوئے ہیں آج
وہ مسکرا رہے ہیں مجھے دیکھ دیکھ کر
کچھ اور اضطراب کے ساماں ہوئے ہیں آج
اے چشمِ شوق دیکھ کہ تیرے ہی واسطے
تنظیمِ بزمِ طور کے ساماں ہوئے ہیں آج

دل میں ہے درد، آنکھ میں آنسو، لبوں پر آہ — افشائے رازِ عشق کے ساماں ہوئے ہیں آج
قدسی تو مر کے زندۂ جاوید ہو گیا
پھر کس کے غم میں بال پریشاں ہوئے ہیں آج

گم کردۂ منزل آہو کی صحرا میں تلاشِ راہ تو دیکھ — ہے کوہِ الم کا بارِ گراں بردوش یہ قلبِ کاہ تو دیکھ
وہ حُسنِ دل آرا پیشِ نظر، حوروں کی مگر زاہد کو ہوس — محدود خیالی، تنگدلی، اور باصرۂ کوتاہ تو دیکھ
کیا اوجِ فلک کی ہستی تھی جذبات محبت کے آگے — گردوں سے گذر کر عرش پہ پہنچی رفعتِ شانِ آہ تو دیکھ
ہے مسندِ فقر و قناعت پر اک ہستیِ قدسی جلوہ فگن
اللہ رے حالِ رندانہ یہ شوکت و شان و جاہ تو دیکھ

ہے دوریِ منزل یوں ہی سہی، ہیں سخت مراحل یوں ہی سہی
خطراتِ سفر پر کیوں ہے نظر، تو راہ روی کا حاصل دیکھ
تو محرمِ رازِ حقیقت ہو، دل دادۂ بزمِ مجاز نہ بن
اُس شانِ جمالِ حقیقی کو ہر جلوۂ حُسن میں شامل دیکھ
پروانہ ہے تو جس کا قدسی دیوانہ ہے تو جس کا قدسی!
آئینہ میں ہے تصویر وہی دیکھ اپنے ہی دل میں غافل دیکھ

ہاں مجھ پہ بھی اک پرتوائے جلوۂ جانانہ — میں بھی ترا طالب ہوں میں بھی ترا دیوانہ
ہر گھر میں ترا جلوہ موجود تو ہے لیکن — بتخانہ نہیں کعبہ، کعبہ نہیں بت خانہ
مفتونِ محبت بھی اک ہستیِ کامل ہے — دیوانہ کا دیوانہ، فرزانہ کا فرزانہ

زاہد کی عبادت بھی حوروں کی محبت ہے
بنیاد ہیں کعبہ کی مستور ہے بت خانہ

وہ مست شرابی ہوں جب کالی گھٹا چھائی
گردوں پہ نظر آیا اُڑتا ہوا مے خانہ

کیفِ مئے الفت ہے یا جانِ مسرت ہے
تا حدِّ نظر پایا اک جلوۂ جانانہ

پھر عقل کی باتیں ہیں پھر ہوش کے تیور ہیں
تو آکے تصور میں کردے مجھے دیوانہ

ہر قطرۂ شبنم میں مضمر ہے مرا قصہ
ہر برگ گلِ تر ہے گویا مرا افسانہ

کب لائقِ بخشش تھا، کب عفو کے قابل تھا
قدسی کی خطا بخشی اے شانِ کریمانہ

وحشتِ دل کے جو اسرار نمایاں ہونگے
ذرّہ ذرّہ سے نمودار بیاباں ہونگے

وہ ستاروں کی طرح چرخ پہ تاباں ہونگے
دلِ برباد کے ذرّے جو پریشاں ہونگے

وادیِ عشق میں جتنے بھی کیٔے ہیں سجدے
سب نشاناتِ رہ منزلِ جاناں ہونگے

میرے جذباتِ محبت کے شرارے اک دن
برق بن بن کے لبِ ناز پہ خنداں ہونگے

دلِ عشاق کے جذبات کہیں دبتے ہیں
جس قدر ان کو دبائیں گے نمایاں ہونگے

میرا افسانۂ پُردرد نہ سُنیئے ورنہ
آپ کے گیسوِ پُر پیچ پریشاں ہونگے

سایۂ عرش میں قدسی جو جگہ پائیں گے
حشر کے دن وہ ہمیں بے سروساماں ہونگے

ذرّہ ذرّہ چمنِ دہر کا تاباں ہوجائے
ایک جلوہ جو تبسم کا نمایاں ہوجائے

بس یہی ایک صلہ ہے مری جانبازی کا
سُنکے افسانۂ پُردرد وہ خنداں ہوجائے

جوششِ اشک کو مانع ہے کوئی، ورنہ ابھی عالمِ ہست تہِ عالمِ طوفاں ہوجائے
ہوگئی دست درازیِ جنوں میں وسعت اُن کا دامن نہ کہیں میرا گریباں ہوجائے

قبر سے قدسیؔ مرحوم کی لپٹا ہے یہ کون
کہدیا کس نے کہ یوں کوئی پریشاں ہوجائے

وہ ضیائے حُسنِ عالمتاب کی تنویر ہے ذرّہ ذرّہ میرے دل کا نور کی تصویر ہے
میرے دل کی ہر تڑپ اک خواب کی تعبیر ہے ہر نفَس میرا بیانِ عشق کی تفسیر ہے
حال میرا اضطرابِ قلب کی تفسیر ہے یہ فسانہ بے نیازِ خوبیِ تقریر ہے
مجمعِ ذراتِ حُسن و عشق ہے ہستی مری اور میرا دل ہے کیا، اک درد کی تصویر ہے
ہو نہ ہو تازہ مصیبت آنے والی ہے کوئی ورنہ کیوں دستِ طلب وحشت کا دامنگیر ہے

برق چمکی اور چمک کر قلبِ قدسیؔ پر گری
خواب کا یہ خواب ہے تعبیر کی تعبیر ہے

کب جلوہ زار عشق بنایا نہیں مجھے کیا کیا تبسّموں نے اُبھارا نہیں مجھے
فطرت نے جلد باز بنایا نہیں مجھے درباں کی منتوں کا سہارا نہیں مجھے
پیشِ نظر ہے عالمِ تنظیم انجلا میری نگاہِ حُسن تماشا نہیں مجھے
شمعِ حرم ہے کس لئے مرہونِ ارتعاش منظور سیرِ بتکدہ حاشا نہیں مجھے
منظور ہے نمائشِ چشمِ چمن طراز ورنہ کسی حسین کا سودا نہیں مجھے
تزئینِ کائنات فریبِ نمود تھی کس جلوۂ مجاز نے ڈھونڈھا نہیں مجھے

عمرِ گذشتہ ایک طلسمِ فریب تھا
آئندہ زندگی کا بھروسا نہیں مجھے

مانا کہ اُن سے شکوۂ ظلم و جفا کروں
لیکن ہے اتنی بات کہ آتا نہیں مجھے

اک عمر اشتیاق میں قدسیؔ گذر گئی
اب کربِ انتظار گوارا نہیں مجھے

اے خوشا عالمِ سرجوشیِ مستانۂ دل
جنتِ عیش بنا عشق میں غمخانۂ دل

کس نے اس گوشۂ خلوت کو سرافراز کیا
رفعتِ عرش بنی رفعت کاشانۂ دل

کیا عجب ہے لبِ منصور مرے لب بن جائیں
بادۂ عشق سے لبریز ہے پیمانۂ دل

جلوۂ حُسنِ تمنا سے منور ہو کر
رو کشِ جنتِ فردوس ہے ویرانۂ دل

آپ سُنیئے نہ اسے آپ کے سُننے کا نہیں
طپشِ درد سے معمور ہے افسانۂ دل

جوشش زد بادۂ گل رنگ بہ میخانۂ دل
بحر دارد بہ دروں قطرۂ پیمانۂ دل

درگہِ عشق ہمیں، بارگہِ حُسن ہمیں
حبّذا مرتبۂ رفعتِ غمخانۂ دل

فرشِ رہ دیدۂ دل شد بہ امیدے کہ کند
جلوۂ حُسن قدم رنجہ بہ ویرانۂ دِل

مرکزِ حُسن بھی یہیں، خالقِ حُسن بھی یہیں
دل کے سوا کہیں نہیں درگہِ بے نیازِ عشق

میری جنوں پسندیاں شوق کی سنگ رہ نہیں
یعنی ہے ایک مشغلہ قطعِ رہِ درازِ عشق

دیکھی جہاں تری جھلک سر کو وہیں جھکا دیا
میری طرح جہان میں کس نے پڑھی نمازِ عشق

تجھے دردِ وجہِ سکوں نہیں تو کھلیں گی کیسے حقیقتیں نہ مذاقِ عشق سے آشنا، نہ تری نگاہ میں وسعتیں
سرِ بام اُسکو بلا لیا مرے ذوقِ جلوہ پسند نے مگر آنکھ حُسن سے جب ملی یہ ہوا کہ چھا گئیں حیرتیں
نہ بڑھائیے مرادِ ردِ دل کہ یہ خوف روح گداز ہے کہیں بے نیاز بنا نہ دیں مجھے عشق سے مری ہمتیں
وہیں آپ قدسی باخدا چلیں آج کوئی جہاں نہ ہو
کہ خلوصِ قلب کی منتظر ہیں ازل سے عرش کی خلوتیں

فضائے عالمِ امکاں پہ چھا گیا ہوں میں کبھی جو خاک سے کچھ سوچ کر اٹھا ہوں میں
تعینات کے پردوں میں ڈھونڈھئے نہ مجھے تلاشِ راہِ محبت میں گُم ہوا ہوں میں
ہزار عالمِ حسرت ہیں دل کی دنیا میں خدا ہی جانے کہ کس کس میں مبتلا ہوں میں
وہ قطرہ ہوں کہ ہے پہلو میں جس کے بحرِ الم وہ موج ہوں کہ تلاطم کی انتہا ہوں میں
فضائے قُدس میں پروانہ بن کے اڑتا ہوں فروغِ شمعِ تجلّی کا مبتلا ہوں میں
تجلیات کا مرکز بنا کے دل اپنا کسی کے حُسن کا آئینہ بن گیا ہوں میں
کسی کو رازِ محبت کی کیا خبر قدسی!
یہ کون سمجھے کہ پردوں میں کیوں چھپا ہوں میں

کیوں ہوئی نابود اہلِ بزم کے دل سے ہوس کس لئے لانے لگے مے نوش لب پر حرفِ بس
کیوں اسیرانِ جنوں کی بیڑیاں کٹنے لگیں کس لئے خالی کئے جاتے ہیں اب کُنجِ قفس
رہروِ راہِ محبت کس لئے ہیں دم بخود سامعہ کرتا نہیں کیوں منتِ بانگِ جرس
سازِ ہستی کس لئے مرہونِ خاموشی ہوئے کیوں ترنم ریزاب ہوتے نہیں تارِ نفس

بات یہ ہے عالمِ فانی سے قدسی چل بسا
اے زباں خاموش رہ اللہ بس باقی ہوس

ہر ذرہ کائنات کا پھر ہے رہینِ جوش — پھر چھا گیا ہے دہر پہ ابرِ شبابِ عشق
محوِ سروش ہو گئے کیوں اپنے گوشِ دل — کیا صوتِ سرمدی سے ملا کچھ خطابِ عشق
ہر ایک موج میں ہیں تلاطم نمائیاں — طوفانِ حُسن ہے کہ ہے جوشِ شبابِ عشق
کس کا شباب چھا گیا رنگِ بہار پر — تیرا شبابِ حُسن کہ میرا شبابِ عشق
نغماتِ سوز و ساز کی وارفتگی تو دیکھ
قدسی کا ہر نفس ہے جوابِ ربابِ عشق

آ گئے دل میں بہار آتے ہی اوہامِ قفس — بھولنے بھی تو نہ پایا تھا میں آلامِ قفس
کھینچتی ہے پھر مجھے رنگینیِ گُل باغ میں — میرے کانوں میں چلے آتے ہیں پیغامِ قفس
زندگی بھر خانۂ صیاد تھا اور عندلیب — ہو بہو تھا زیست کا انجام انجامِ قفس
روشنی آتی نہیں کیسا رہائی کا خیال — اس قدر پیچیدہ و تاریک ہے دامِ قفس
ہو اگر منظور رازِ صبحِ آزادی کا علم — پوچھئے محبوس سے کیفیتِ شامِ قفس
ایک گوشہ میں پڑے تھے دور تھے آفات سے — یاد آتا ہے ابھی تک ہم کو آرامِ قفس
ہو گی آزادی تمھیں حاصل یقیناً ایک دن
کاٹ دو جیسے کٹیں قدسی یہ ایامِ قفس

حلقۂ زلف ہے ہر حال میں افتادہ بگوش — سر بصحرا ہوں مگر عشق کا سجادہ بدوش

آج کیوں صورتِ تصویر بنا بیٹھا ہے
کس کی نظروں کا ہوا شیفتہ اے بادہ فروش

بے نیازی کی کوئی حد بھی ہے اے بندہ نواز
تا بہ کے در پہ رہے عاشقِ افتادہ خموش

مژدہ اے بادہ پرستانِ فریبِ عشرت
میکدہ اور قدمِ زاہدِ سجادہ بدوش

دل وہ کیا دل ہے نہ ہو کیفِ محبت جس میں
چشم جو یا بکتا حُسن ببیں، بادہ بنوش

اشکوں سے نمودار ہوئی شانِ حوادث
تھا دیدۂ تر میں مرے طوفانِ حوادث

ہر گوشۂ دنیا پہ ہے بارانِ حوادث
اُٹھا ہے ہر اک سمت سے طوفانِ حوادث

اللہ بچائے تری جادو نظری سے
ہر جنبشِ مژگاں میں ہے سامانِ حوادث

دنیا ہے حقیقت میں حوادث کا مرقع
بے فائدہ ہوتے ہیں پریشانِ حوادث

فتنے ترے اُٹھ اُٹھ کے قدم چوم رہے ہیں
ہے لغزشِ پا باعثِ طوفانِ حوادث

تیری نگہِ ناز ہے صد فتنہ در آغوش
ہے مست جوانی تری سامانِ حوادث

ہمت ہے تو مشکل کوئی مشکل نہیں قدسی
طے دم میں ہوا جاتا ہے میدانِ حوادث

ناز بھی سجدہ ریز ہے آج مرے نیاز پر
لوٹ گئیں حقیقتیں خاک رہِ مجاز پر

برق جمال کی چمک درد جگر میں آ گئی
کون یہ مسکرا دیا قصۂ جانگداز پر

چشمِ حقیقت آشنا عشق و ہوس میں ربط کیا
کوئی بھی مستقل نہیں شاہدِ مجاز پر

دیکھ رہا ہوں آج میں جنتِ حُسن کی بہار
رشک ہے آسماں کو بھی چشمِ چمن طراز پر

محوِ جمال ہو گیا پاکے حقیقت جمال — ہیر انشان اب کہاں خاکِ رہِ مجاز پر

عاصیٔ پر خطا بھی ہوں قدسی بے ریا بھی ہوں
قلب کو اعتماد ہے بخششِ حیلہ ساز پر

آنکھ میں وسعتِ صحرائے زمن پیدا کر — ذرّے ذرّے سے بیاباں کے چمن پیدا کر
قصۂ دل کے لئے ایک دہن پیدا کر — جس میں ہو حُسنِ تاثر وہ سخن پیدا کر
ایک ہنگامہ بپا کر کے جنوں کا اے دل — ہر قدم پر سببِ دار و رسن پیدا کر
سالکِ راہِ حقیقت ہے اگر اے رہرو — سفرِ عالمِ امکاں میں وطن پیدا کر
داستانیں تو فقط حال کی تصویریں ہیں — ہو سکے شرح نہ جس کی وہ سخن پیدا کر

بے معانی ہے یہ قدسی تری تخئیلِ جدید
ایک دنیائے خیالاتِ کہن پیدا کر

ذوقِ نشاط پھر بڑھا دیکھ کے دورِ جام کو — پیرِ مغاں کے روبرو رند جھکے سلام کو
ساقیٔ پاکباز نے تازہ حیات بخش دی — حوصلے پھر بڑھا دئے منہ سے لگا کے جام کو
عرش دکھا دیا مجھے ہمتِ سازگار نے — لا کے تصورات میں آپ کے اوج بام کو
ایک نگاہِ شرمگیں قتل کو میرے کم نہیں — مجھ پہ کوئی اُٹھائے کیوں خنجرِ بے نیام کو

مجھ پہ حقیقتیں کھُلیں جب سے کھُلا درِ مجاز — سجدے مرے تڑپ اُٹھے دیکھے جو اُنکے پائے ناز
آہیں اثر پذیر تھیں نالے جگر خراش تھے — سُن کے فرشتے رو دئے میری فغانِ دل گداز

صبر بھی کر دلِ حزیں تا بہ کجا یہ اضطراب — بخت سیہ کی عمر ہی روزِ ازل سے ہے دراز
بزمِ نشاط سے غرض کام نہ ذوقِ دید سے — ایک نگاہِ ناز نے کر دیا مجکو بے نیاز

سینکڑوں اہلِ دِل ملے سینکڑوں باصفا، مگر
قدسیِ باخدا کہاں آپ کی شانِ امتیاز

سُنائی ہے جرس نے کچھ عجب رودادِ منزل کی — کہ اُس کی ہر صدا میں شرح مضمر تھی مرے دل کی
سُنا دے شمع سب گذری ہوئی حالت مرے دل کی — حقیقت منکشف ہو جائے جس سے جذبِ کامل کی
سفینہ گھومتا پھرتا ہے گردابِ حوادث میں — مری نظروں سے کوسوں دور ہے تصویر ساحل کی
مرے سینہ پہ وہ ناوک لگا کر ناز سے بولے — نہیں تھی اس سے زائد کوئی قیمت آپکے دل کی
کئے ہیں سجدہائے مضطرب راہِ محبت میں — خبر دیتا ہے ہر ذرّہ مری بیتابیِ دل کی

دلِ قدسی میں مجمع ہے سرور و کیف کامل کا
اسی کے دم سے رونق بڑھ گئی رندانہ محفل کی

مری تکمیلِ ہستی سے مکمل عالمِ فانی — مری تنویر سے پائی ہے ہر جلوہ نے تابانی
مری تخلیق ہی تو باعثِ تکوینِ عالم ہے — مری ہستی میں مضمر ہیں ہزاروں رازِ انسانی
حقیقت ہے مری اک جلوۂ حُسنِ جہاں آرا — مرے پرتو سے ہر ذرّے نے پائی ہے درخشانی
مدارج ہو گئے سب طے مرے عشقِ مجازی کے — حقیقی رفعتوں پر اب ہوئی ہے دل کی جولانی

اُنھیں کچھ بدگمانی ہو گئی ہے جوشِ وحشت سے
دلِ برباد قدسی کی وہ کرتے ہیں نگہبانی

تمام عمر رہی آپ سے بھی بے خبری
جہانِ ہوش رہا یوں خرابِ جلوہ گری

وہ لاکھ بار ہوں رونق فزائے بزم مگر
کہاں نصیب زبوں قسمتوں کو خوش خبری

ہمیشہ بارِ محبت بہ دوش رہتا ہے
ثنا طلب ہے دلِ ناتواں کی بے جگری

ملا ہے مجکو محبت میں ضبطِ غم کا سبق
اثر سے کام نہ کچھ انتشارِ بے اثری

وہ چونک پڑتے ہیں سُن سُن کے اب مرے نالے
اثر کی روح رواں ہے یہ دعوتِ سحری

تجلیاتِ مجازی سے بے نیاز ہوں میں
مری نگاہ میں ہے اک جہانِ جلوہ گری

نگاہِ شوق تو پیدا کرے کوئی قدسی
وہی ہے بزمِ تجلّی وہی ہے جلوہ گری

ناز بھی اک شان اُن کی رحم بھی اک شان ہے
کامیابِ عشق ہونے کا یہی امکان ہے

اک نظر ہو جائے بزمِ حُسن میں دل کی طرف
لاکھ ناخواندہ ہے پھر بھی آپ کا مہمان ہے

کچھ سکوں سا یک بیک ہونے لگا ہے نزع میں
اُن کے آنے کا یقیناً دل کو اطمینان ہے

میں کرم پر بھی فدا ہوں میں ستم پر بھی نثار
بندہ پرور آپ کا احسان ہی احسان ہے

قدسیِ جنت مکاں دنیا سے گو رخصت ہوا
آستانہ پر جلالت آج تک دربان ہے

کوئی ہے بسملِ ادا کوئی شہیدِ ناز ہے
آج تو بزمِ ناز کا رنگ جنوں نواز ہے

مانگ لے اور مانگ لے ہستیِ عشق کے لئے
دامنِ مدعا ابھی دستِ کرم دراز ہے

بے خبر مآلِ عشق سُن یہ پیامِ حُسن سُن
ظلمتِ شب کے بھیس میں صبحِ طرب کا راز ہے

موجبِ دردِ جاں ستاں باعثِ مرگِ ناگہاں　　تیری ادائے فتنہ زا تیری نگاہِ ناز ہے
ہستیِ دردمند پر چھائی ہے اک فسُردگی　　بزمِ جہاں میں ہر طرف نالۂ دل گداز ہے

دل میں خیالِ بندگیِ آستانہ ہے　　آفتادگی و بیخودیِ دل بہانہ ہے
جب دیکھو اُن کی بزم میں میرا فسانہ ہے　　ہے ذوقِ ربط اُن کو مگر غائبانہ ہے
مستِ شرابِ عیش و مسرت سنبھل سنبھل　　یہ زیست ایک خواب یہ دنیا فسانہ ہے
ہر درد کی چمک میں تماشائے حُسن ہے　　یہ دل نہیں ہے، آپ کا آئینہ خانہ ہے

قدسی نشانِ منزلِ مقصود پا گیا
وہ سر کہ وقفِ سنگِ درِ آستانہ ہے

شمع بن انجمنِ عشق میں جلنے کے لئے　　ہاں یہی شان ہے اک رنگ بدلنے کے لئے
لو لگائے ہیں تری شمعِ تجلی سے جو لوگ　　بزمِ ہستی میں وہی آئے ہیں جلنے کے لئے
عشقِ کامل ترے صدقہ کہ بہکنے نہ دیا　　پاؤں پھیلائے بہت دل نے مچلنے کے لئے
پھونک دے پھونک دے اے طور کے جلوہ کی خبر　　آگ تھوڑی ہی بہت ہوتی ہے جلنے کے لئے

وہ حُسن، شہرت ہے جس کی سب میں، کبھی تو صرفِ نگاہ کر دے
یہ تیرا پردوں میں چھپ کے رہنا کہیں نہ مجکو تباہ کر دے
نگاہِ جور آشنا کا صدقہ، ادائے صرفِ جفا کا صدقہ
خرابِ راہِ وفا کی دنیا تباہ کر دے تباہ کر دے

میں اُس تجلی کو چاہتا ہوں میں ایسے جلوے کا منتظر ہوں
جو میری آنکھیں خراب کر دے جو میرے دل کو تباہ کر دے

یہ سینے مانا تجلیوں کی نہ لا سکوں گا میں تاب ؛ لیکن
تجھے قسم اپنی شوخیوں کی نظر کی دنیا تباہ کر دے

ہزار تحفوں سے بڑھ کے تحفہ ہزار ہدیوں سے بڑھ کے ہدیہ
نہیں کوئی چیز دل سے اچھی اسی کو نذرِ نگاہ کر دے

نہ چھوڑ ہمت کی وسعتوں کو نہ دیکھ راہوں کے پیچ وخم کو
کبھی ملے گا نشانِ منزل تو خود کو جویائے راہ کر دے

کرم ہے اُس کا فقیر قدسی کو اُس نے بخشی ہے سرفرازی
وہ بادشہ کو فقیر کر دے فقیر کو بادشاہ کر دے

جاں شمع جبیں کی پروانہ اس جاں کی لطافت کیا کہیئے
دل حُسنِ صنم کا دیوانہ اس دل کی حقیقت کیا کہیئے

کیا حال سناؤں کیا گذری ہمراز نہ پوچھ مرا قصہ
ہے درد سراپا افسانہ اور درد کی حالت کیا کہیئے

کچھ میں ہی نہیں مسحورِ نظر اک خلق خدا مسحور سی ہے
جو سحر ہے چشمِ جانانہ اُس سحر کی وسعت کیا کہیئے

اب دل میں نہ شوقِ بُت خانہ اب دل میں نہ ذوقِ مے خواری
دل شمعِ حرم کا پروانہ پھر دل کی حقیقت کیا کہیے
قدسی کی صورت دیکھ چکا اب دل کی حالت پوچھ نہ تو
جو حال ہو بالکل رندانہ پھر اس کی حقیقت کیا کہیے

محبت کی میں ایذائیں سہوں کب تک — الٰہی اس طرح آخر جیوں کب تک
بیانِ خستگی کی داد لینے کو — میں اُن سے اپنا افسانہ کہوں کب تک
دلِ مدہوش سے میں روز کہتا ہوں — کہ آخر یہ تماشائے جنوں کب تک
رہے گا موسمِ گُل کی تمنا میں — مرا دامن خرابِ اشکِ خوں کب تک

صبحِ الفت ہے ابتدائے دل — شامِ فرقت ہے انتہائے دل
یثربِ عشق بن گیا سینہ — طورِ سینا بنی فضائے دل
جلوہ ریزی سے خاک ہو جانا — عشق میں ہے یہ انتہائے دل
جلوۂ طور ہے کہ نورِ حرا — کس کا پرتو ہے جانفزائے دل
کعبۂ ناز بن گئی خلوت — جلوہ ساماں بنی سرائے دل
طبعِ جبریل بن گئی اپنی — درسگہ بن گیا حرائے دل
آئیں الہام آفریں موجیں — پُرضیا بن گئی فضائے دل

وحی آئی ہے ہم پہ وحشت میں — رہنما بن گئی ندائے دل
میرا سینہ ہے اک مدینۂ ذوق — بانیِ کیف نغمہائے دل
تارہائے نفس ترنّم ریز — روح پرور ہیں نغمہائے دل

قدسی الاصل ہے اگر قدسی
نورِ مطلق سے بس لگائے دل

موت ٹھیری انتہائے دردِ دل — درد ہی نکلا دوائے دردِ دل
اک تبسّم کائناتِ زندگی — اک تجلّی مدعائے دردِ دل
میرے رونے پر ہنسی رُکتی نہیں — ہو چکی تم سے دوائے دردِ دل
وہ بھی مجکو دیکھکر گھبرا گئے — دیکھئے اب کیا دکھائے دردِ دل

کیا جانیئے کہ کون ہے کس کا فریفتہ — وہ میرے دل میں دل مرا اُن کی نگاہ میں
ہنگامۂ ازل پہ ذرا غور کیجئے — کب سے خراب ہوں میں جہانِ تباہ میں
کہنا کچھ اُن سے خضر ہماری تباہیاں — ذرّے ہمارے دل کے جو مل جائیں راہ میں
اے حیرتِ نگاہ! یہ کیسا ظہور ہے — ہیں آئینہ میں آئینہ میری نگاہ میں
کیا جانے کون اپنی تجلّی دکھا گیا — جلوے تڑپ رہے ہیں جو میری نگاہ میں

قدسی سا رہنما بھی نہیں منزل آشنا
اے عشق پیچ پیچ وہ ہیں تری شاہراہ میں

آسماں والوں نے آنکھوں سے کیا ہے اہتمام
ایک ہستی کا یہاں تک ہو چکا ہے احترام

ایک ذرّہ بھی نہیں محروم انوارِ جمال
اللہ اللہ حُسنِ خود آرا کا حُسنِ انتظام

آج ہر ذرّہ زمیں کا رشکِ خورشید ہے
جلوۂ حُسنِ ازل کا دیکھنا یہ اہتمام

مستعد ہیں آج وہ بجلی گرانے کے لئے
جن نگاہوں نے کبھی دل کو کیا تھا شاد کام

جلوہ ترا بسیط ہے گو ہے نقاب میں
رنگت گلاب میں ہے چمک آفتاب میں

دل وجد میں ہے روح پہ طاری ہے ذوقِ رقص
کیا چیز گونجتی ہے یہ تارِ رباب میں

جو دل میں تلاطم خیزی ہے وہ جوش کہاں ہے طوفاں میں
خاموش نہ بیٹھو دیوانو! جذبات کو لاؤ ہیجاں میں

ہے ہمّتِ مردانہ ایسی، ہے وسعتِ ہنگامہ اتنی
دنیا کے حوادث اُلجھے ہیں مجھ خاک نشیں کے داماں میں

جو مضمر حُسنِ تبسم ہے وہ رازِ فنا ہے برق میں کب
جو اُس کے لبوں میں شوخی ہے وہ کب ہے شاخِ مرجاں میں

کیا حُسنِ ازل کے جلووں نے میخانہ پہ پرتَو ڈالا ہے
کیوں آج یہ کھِچ کر آئی ہے اک دنیا بزمِ رنداں میں

اس عالمِ ہستی میں قدسی مجبور بھی ہے مختار بھی ہے
یوں جانئے جیسے اک قیدی آزاد ہو حدِّ زنداں میں

ہم عشق میں کچھ ایسے دیوانے بن گئے ہیں — ہستی سے اپنی گویا بیگانے بن گئے ہیں
کیا پوچھتے ہو کیا کیا دل پر گذر چکی ہے — میری تباہیوں کے افسانے بن گئے ہیں
ناکام التجائیں ، برباد آرزوئیں — اس ایک دل میں کتنے ویرانے بن گئے ہیں
ہر در پہ سجدہ ریزی اک مشغلہ ہے اُن کا — دنیا کے لوگ کیسے دیوانے بن گئے ہیں

دید کی کیا اُن سے استدعا کریں — دل کی آنکھوں سے نہ کیوں دیکھا کریں
ہو گئے وہ میرے دل میں جلوہ گر — لوگ دنیا میں اُنھیں ڈھونڈھا کریں
اُن کی شہرت تو بہت کچھ ہو چکی — کاش میرے دل کو بھی رُسوا کریں
تابِ نظارہ ہی جب دل میں نہ ہو — تابشِ جلوہ کا کیوں چرچا کریں

شیوۂ قدسیؔ ہے تسلیم و رضا
یہ کہاں ممکن کہ ہم شکوا کریں

دلِ برباد کا چرچا نہ کریں — اُن کے انداز کو رُسوا نہ کریں
وسعتیں ہیں ترے جلووں میں بہت — میری آنکھوں میں سمایا نہ کریں
بے خبر محوِ غمِ دوش رہیں — ہوش والے غمِ فردا نہ کریں
لب ہلاتے نہیں وہ بالیں پر — میرے جینے کا بھروسا نہ کریں
تابشیں حُسن کی اب پھیل گئیں — اُن سے کہہ دے کوئی، پروا نہ کریں

غم ہے اک چیز جہاں میں قدسیؔ
کس لئے دل سے گوارا نہ کریں

میں شعلۂ عشقِ دل ستاں ہوں — سرمایۂ سوزِ جسم و جاں ہوں
ہر چند کہ وہم ہوں گماں ہوں — آئینۂ معنئ نہاں ہوں
اجمالِ مفصلاتِ تاریخ — فہرستِ صحائفِ زماں ہوں
بخشی ہے خدا نے سرفرازی — گو خاکِ قدومِ بندگاں ہوں
کیوں مجکو کہیں نہ قدسی الاصل
میں شانِ نمودِ قدسیاں ہوں

تختۂ مشقِ خیر و شر ہوں میں — گو کہ اک جزوِ مختصر ہوں میں
میری ہستی میں نور کامل ہے — شبِ امید کی سحر ہوں میں
جام سے واسطہ نہ مے سے غرض — مستِ مے خانۂ نظر ہوں میں
لاکھ عزلت کدہ میں رہتا ہوں — ہاں، مگر حشر کی خبر ہوں میں
مجھ سے اور اس قدر حجاب یہ کیا — مبتدا آپ ہیں خبر ہوں میں
طائرِ سدرۂ حقیقت ہوں
قدسی الاصل تیز پر ہوں میں

طے کی ہیں ہم نے سر سے محبت کی منزلیں — کیا ہے سوائے نقشِ جبیں راہِ عشق میں
لایا ہے جوشِ وحشتِ دل اب وہاں ہمیں — جس دشتِ ہولناک میں لاکھوں ہیں مشکلیں

چھالے ہمارے پاؤں کے ہیں منزل آشنا پھر کیوں رہین منتِ بانگِ جرس نہیں

قدسی ہزار عشق کی منزل ہو پرخطر
ہو رہبرِ شوق تو اک دم میں طے کریں

مہر و مہ بار تری بزم میں کب پاتے ہیں رات دن ٹھوکریں کھا کھا کے چلے جاتے ہیں
حبّذا عشقِ جنوں خیز کی رنگیں نظری ہر طرف ہنستے ہوئے پھول نظر آتے ہیں
آپ کا جلوہ گہِ ناز ہے آئینۂ دل طور ہی طور تصوّر میں نظر آتے ہیں

آہِ سوزاں سے نکلتے ہیں جو شعلے قدسیؔ
تارے بن بن کے وہ گردوں پہ چھٹک جاتے ہیں

ارضِ نیاز پر نہ رہا اقتدارِ طبع ہے آسمان ناز پر اپنا وقارِ طبع
جذباتِ دل حریم محبت کے راز ہیں ناآشنائے درد کو کیا ہو عیارِ طبع
آنسو نہیں ہیں یہ مری آنکھوں میں ہم نشیں دل سے نکل رہا ہے جمود غبارِ طبع
بجلی سی ہے کہ قلب و جگر میں ہے مضطرب اک حشر ہو گیا ہے مجھے انتشارِ طبع
رگ رگ مرے گلو کی ربابِ حیات تھی نغموں کے انبساط میں نکلا غبارِ طبع
ہر گوشۂ قفس کو گلستاں بناؤں گا اب کے جنوں میں دیکھنا رنگِ بہارِ طبع
ہر ذرّہ میرے دل کا تجسس میں محو ہے اک درسِ جستجو ہے مرا انتظارِ طبع

ادا ادا ہو مجسّم، تمام نازِ لطیف حقیقۃً تمھیں حاصل ہے اک طرازِ لطیف

نگاہِ ناز میں اعجاز بھی ہے افسوں بھی — کہاں سے لائے گا کوئی یہ امتیازِ لطیف
علاجِ دردِ محبت، ارے معاذ اللہ — کہ درد ہی سے تو پیدا ہوا گدازِ لطیف
نہ پوچھیے کہ ہمیں کیوں ہوا ہے دورِ جنوں — ہمارے حال میں مضمر ہے ایک رازِ لطیف
نہ کر مذمتِ دل اے مری زبوں حالی — عطا کیا ہے اسی نے تو اک گدازِ لطیف
چلی ہی آتی ہیں نغموں کی دل میں لہریں سی — ربابِ جاں ہے حقیقت میں ایک سازِ لطیف

سینہ میں میرے بحرِ معانی تھا موجزن — میری زبان کھلتے ہی ظاہر ہوئے نکات
جی چاہتا ہے اب کہ وہی نغمۂ حرا — مردہ دلوں کے واسطے بن جائے اک حیات

شستہ زباں میں کیجیے قدسیؔ بیانِ حال
اظہارِ مدعا کو نہیں حاجتِ لغات

یہ دل تو نذرِ حقیقت ہے روزِ اوّل سے — نظر بھی ہو گئی ذوقِ مجاز سے فارغ
نہیں یہ غم کہ ہو انجام کیا محبت کا — ہوا ہوں فکرِ نشیب و فراز سے فارغ

عبورِ منزلِ تقویٰ تو کر چکا قدسیؔ
مگر نہیں ہے سجودِ نیاز سے فارغ

افسانے رنگ و بو کے مجھے یاد ہی نہیں — گل چینِ حسن ہیں ہوں مجھے گل سے کیا غرض
وحشت میں جو زبان پر آیا وہ کہہ دیا — بے ربط مدعا کو تسلسل سے کیا غرض

قدسیؔ ہے بے نیاز فریبِ نمود سے
سلطانِ بیخودی کو تجمل سے کیا غرض

ہر روز ایک تازہ قیامت کی ہے خبر — کیوں کر رہے ہیں اہل جہاں اہتمامِ زیست

قدسیؔ ابھی سے کیجیۓ اندیشۂ وفات

بے فائدہ ہے آپ کا یہ انتظامِ زیست

بے فائدہ نہیں ہے مرا دورِ بیہشی — رُسوائی آپ کی ہو جو آجائے مجکو ہوش

زاہد تجھے رموزِ حقیقت کی کیا خبر

قدسیؔ سے یہ نہ پوچھ کہ کیوں ہے گلیم پوش

ابتدا و انتہا کا اک طلسی دَور ہے — ورنہ انجامِ خطِ پرکار ہے آغاز پر

ذرّاتِ دل نے دوش پر اپنے اٹھالیا — الفت کا بار، ہجر کا غم، اضطرابِ شوق

اُلٹی بساطِ زیست نظامِ نَفَس مٹا — باقی جہاں میں رہ گئے بیمار کے قصص

اب وہ نظامِ بزم نہ وہ رنگِ کیف مے

میخانہ میں ہیں قدسیؔ میخوار کے قصص

کون ہے کون ہے یہ پردۂ حائل کے قریب — رہ گئی کوند کے اک برق مرے دل کے قریب

بے خبر راہ کی پیچیدگیاں کیا جانے — اُس سے پوچھے کوئی کھو جائے جو منزل کے قریب

حسرتیں ہیں، کہیں ارمان، کہیں امیدیں — ایک دنیا نظر آتی ہے میرے دل کے قریب

دیکھنا قدسیؔ برباد کہیں قیس نہ ہو
اک بگولا نظر آتا ہے جو محمل کے قریب

گُلِ امید کھل جائیں اگر باغِ تمنّا میں
خدا جانے کہ پھر کیا عالمِ رنگینیِ دل ہو

رسائی ہو حریم ناز میں تو اس طرح یارب
نہ درباں ہو، نہ حاجب ہو، نہ کوئی پردہ حائل ہو

ہزاروں آفتیں قدسیؔ کے دل پر آچکیں اب تک
خدا جانے نئی اب کون سی افتاد نازل ہو

نقاب اُلٹو جمالِ رُخ دکھا دو
مٹا دو ظلمتِ ہستی مٹا دو

ہمیں برقِ تجلّی دیکھنا ہے
رہو پردے میں لیکن مُسکرا دو

اگر ذوقِ تماشا ہے تو قدسیؔ
ذرا آئینۂ دل کو جلا دو

میرا سکون کیا ہے، میری حیات کیا ہے
اک حُسن کا ترانہ، اک عشق کا فسانہ

کیوں ہے ہراس تجکو روزِ جزا کا قدسیؔ
رحمت تو ڈھونڈھ لیگی بخشش کا اک بہانہ

وہ کیوں ہر ایک سے وعدہ نہ حشر کا کرتا
کہ جس کو مُنہ نہ دکھانا وہی گلا کرتا

ذرّے ذرّے میں ہے تابانی کا رنگ
دیکھنا عالم ذرا تنویر کا

جس دن سے ترے حُسنِ دل آویز کو دیکھا
دیوانہ ترا پھر نہ کبھی ہوش میں آیا

قطراتِ اشک بن گئے زنجیرِ پائے شوق
پھر کیوں گدازِ شمع مرا حالِ دل نہ ہو
تیرِ نظر کا زخم ملا ہے نصیب سے
یارب کبھی جراحتِ دل مندمل نہ ہو
قدسی محال ہے رہِ الفت کی رہروی
پائے ثبات جبکہ ترا مستقل نہ ہو
چھن چھن کے پھیل جائے جہاں میں بہارِ حُسن
اتنا تو جلوہ ریز کسی کا نقاب ہو

جلوے جمالِ رُخ کے بنے جنتِ نظر
دنیائے دل پہ حُسنِ ازل ہو گیا محیط
پائی بُراق فکر پہ معراج باطنی
سدرہ سے بڑھ کے نُورِ حرا ہو گیا محیط
جبریلِ طبع رہ گیا راہِ دراز میں
نورِ جمالِ روئے منوّر رہا محیط
پہنچا حریمِ ناز میں جب طائرِ خیال
ٹوٹا حجاب، نورِ تجلّی ہوا محیط

دل جمالِ یار کا اک خوشنما آئینہ ہے
عشق کہتے ہیں جسے وہ قصۂ پارینہ ہے
کام کیا ہے رہروانِ عشق کو اسباب سے
بام پر جانے کو سایہ بے نیاز زینہ ہے
دیکھئے حُسنِ نظر سے میرے دل کو دیکھئے
آپ کی تصویر ہے جس میں یہ وہ آئینہ ہے
سامنے آنے میں اب کیا دیر ہے پردہ نشیں
رازِ دل قدسی کا پوشیدہ نہیں آئینہ ہے

ہر ایک راہروِ عشق ایک راہ میں ہے — فقیر میں بھی وہی ہے جو بادشاہ میں ہے
شرارتیں تری آنکھوں کی صاف کہتی ہیں — چھپا ہوا کوئی فتنہ تری نگاہ میں ہے
الٰہی کون بیاباں میں آنے والا ہے — کہ اضطراب بلا کا غبارِ راہ میں ہے

ہو نالۂ سحری یا دعائے نیم شبی — مقامِ عشق میں ہر التجا ہے بے ادبی
فنائے ذوق ہے سیرابِ دید ہو جانا — بقائے عشق اتم ہے کمالِ تشنہ لبی
تم اپنے حسن کا دلکش نظام تو دیکھو — یہ مانتا ہوں کہ ہے ذوقِ دید بے ادبی
سمجھ رہے ہیں مجھے اب وہ رحم کے قابل — اثر میں ڈوب رہی ہے دعائے نیم شبی
سنبھل سنبھل دلِ وارفتہ کیا ہوا ہے تجھے — حریمِ ناز میں اچھی نہیں ہے بے ادبی

کہیں حجاب، کہیں بے حجابیاں قدسی
تاثراتِ محبت کی ہے یہ بوالعجبی

بن گئے وہ کارسازِ زندگی — جانتے تھے جو نہ رازِ زندگی
دل کا نغمہ تھا مجازِ زندگی — ہو گیا بشکستہ سازِ زندگی
دل ہی تھا اک کارسازِ زندگی — اب کرے گا کون نازِ زندگی
عمر کی گھڑیاں ہی سب گنتے رہے — آج تک سمجھے نہ رازِ زندگی

اب تو آمادہ ہے قدسی موت پر
عمرِ رفتہ کو ہو نازِ زندگی

روئے تو اپنے حال پہ رویا کرے کوئی / بے اعتنائیوں کا نہ چرچا کرے کوئی
جب دل میں سوز و ساز نہ پیدا کرے کوئی / پھر کیوں تجلّیوں کی تمنا کرے کوئی
فصلِ بہار و دورِ خزاں ساتھ ساتھ ہیں / کیا ایسی زندگی کا بھروسا کرے کوئی
تکمیلِ فکرِ دوش ہی جب ناتمام ہو / پھر کیوں شکایتِ غمِ فردا کرے کوئی
مانا نگاہِ ناز کی شہرت ہے چارسو / اے کاش میرے دل کو بھی رسوا کرے کوئی
رہتے ہیں اس لئے وہ حجاباتِ قلب میں / باطن کی آنکھ سے انھیں دیکھا کرے کوئی
کچھ کم نہیں ہے شہرۂ تنظیمِ بزمِ ناز / کیوں انتظارِ محشرِ برپا کرے کوئی
ہر ذرّہ کائنات کا پُرنور ہو گیا / اب دل کی ظلمتوں میں اُجالا کرے کوئی
دل کو فنا پذیرِ تجلّی سے کیا غرض / آنکھوں میں نُور بن کے سمایا کرے کوئی
پردہ دری پہ ہو گئی آمادہ چشمِ تر / اب اہتمامِ خاص سے پردا کرے کوئی

قدسی کہاں نہیں ہیں کسی کی تجلیاں
وسعت ذرا نگاہ میں پیدا کرے کوئی

نظر آیا وہ نورِ یزدانی / دل ہے اور دل کی جلوہ سامانی
تم نے صورت نہ میری پہچانی / میں ہوں اک رہنمائے روحانی
آفریں اے دعائے نیم شبی / ہو گئی مشکلوں میں آسانی
اک تلاطم ہے قلبِ مضطر میں / عشق ہے اور فتنہ سامانی

میری بالیں پہ چپ کھڑے ہیں وہ دل ہی دل میں ہے کچھ پشیمانی
زندگی میری چند سانسیں ہیں کیوں چھپاتے ہو شکل نورانی
آستانہ ہے آپ کا قدسی
ایک خلوت سرائے عرفانی

یہ غرورِ حسنِ شباب ہے کہ سرورِ جام شراب ہے
نہ وہ اہتمامِ حجاب ہے نہ وہ بندوبستِ نقاب ہے
وہ تلاش و ذوقِ نمود میں تو خود آئے منظرِ عام پر
کوئی آنکھ بھر کے نہ دیکھ لے فقط اس لئے یہ حجاب ہے

اللہ ری دیوانگیِ زلفِ پریشاں ہے حسن کی دنیا پہ گھٹا چھائی ہوئی سی
کیا زلفِ معنبر کی اُڑا لائی ہے خوشبو کیوں ہے یہ نسیمِ سحر اترائی ہوئی سی
اُس عارضِ رنگیں کی وہ رعنائی ہے قدسی
پھولوں کی لطافت بھی ہے شرمائی ہوئی سی

آج اُس شوخ نے گلے مل کے اور ارماں بڑھا دئے دل کے
کچھ کمی سی ہے درد میں دل کے آ گئے کیا قریب منزل کے
بزمِ خلوت کی آرزو ہے اگر سیکھ آداب اُن کی محفل کے
کیوں عنادل میں شور برپا ہے راز افشا ہوئے ہیں کیا دل کے

دل دھڑکتا ہے کیوں ترا قدسی
مل گئے کیا نشان منزل کے

آرزو ہے کہ دل گداز بنے — درد کی راہ کچھ دراز بنے
ارضِ دل جلوہ گاہِ ناز بنے — زندگی کا اک امتیاز بنے
دل بنے اور گنج راز بنے — یعنی دنیا سے بے نیاز بنے
پائے گا منزلِ حقیقتِ عشق — پہلے دل حاصلِ مجاز بنے
بہرِ نغماتِ غیب لازم ہے — اپنی ہستی کا ایک ساز بنے
کام سب کے بنا دئے تو نے — میری بگڑی بھی کارساز بنے

منکشف ہوں گے راز سب قدسی
آشنائے نیاز و ناز بنے

کب سے ہوں تیرا منتظر روئے حسیں دکھا بھی دے — کیوں ہے حجاب اس قدر پردۂ رخ اٹھا بھی دے
دیر نہ کر مغنیہ حسنِ ادا کا واسطہ — نغمۂ دردآفریں آکے مجھے سنا بھی دے

کس کو خبر کہ پائے گا منزلِ ناز کا نشاں — راہ کی ساری مشکلیں کوئی اگر اٹھا بھی لے
قطرۂ اشکِ مضطرب برگِ گلِ حسیں پہ ہیں — موجِ نسیم گود میں چند گہر اٹھا بھی لے

اگر مرنا مرا ثابت نہیں ہے — تو کیوں دورِ وفا اندوہگیں ہے

جسے سمجھی ہے کفرِ عشق دنیا　　حقیقت میں وہی تو اصلِ دیں ہے
بتا دوں کائناتِ دل بتا دوں　　تمھاری یاد ہے اور کچھ نہیں ہے
حجاباتِ نظر بے فائدہ ہیں　　جہاں تم ہو مرا دل بھی وہیں ہے
میں اُن پر اس لئے مرتا ہوں قدسی
حیاتِ جاودانی کا یقیں ہے

تیری روپوشی کا باعث کثرتِ انوار ہے　　تیرا پردہ ہی حقیقت میں ترا اظہار ہے

اُٹھا طوفان ایسا بھی بیابانِ محبت میں　　ہزاروں کارواں اُڑتے ہوئے اس راہ میں دیکھے

مرے رفیق مری مرگ کا نہ رنج کریں　　میں جا رہا ہوں کہیں موت کے بہانہ سے

میں ایسا کھو گیا ہوں اُن میں قدسی　　مری تصویر ہیں صورت ہے اُن کی

نہ رہینِ شکوہ دہن مرا، نہ شکایتوں سے لب آشنا　　نہ زباں جس کی کھلی کبھی میں وہ نوحہ زارِ خموش ہوں
جو ہے محوِ جلوۂ دلکشا، جو ہے رہنِ وحشتِ جوش زا　　میں وہی تو حلقہ بگوش ہوں میں وہی تو خانہ بدوش ہوں

طلبِ حقیقتِ حُسن ہے تو نمودِ عشقِ مجاز بن　　تجھے شوقِ آئینہ ہے اگر تو نگاہِ آئینہ ساز بن

نہ اُٹھے ہوں پردے حجاب کے نہ ہوا ہو دل ترا آئینہ	نہ کھلی ہوں تجھ پہ حقیقتیں تو اسیرِ حُسنِ مجاز بن

افسانہ قیس کا ہو کہ احوال کوہکن	ٹکڑے کہیں کہیں سے مری داستاں کے ہیں

جبیں نقشِ کفِ پا پر کرے سجداتِ روحانی	اسی منزل کو اے قدسی مقامِ عشق کہتے ہیں

رُخ بھی وحشت میں نہ تھا میرا بیاباں کی طرف	کیوں لئے جاتے ہیں مجکو لوگ زنداں کی طرف
قافلے والو، نہ پوچھو میری منزل کا نشان	کیا خبر کیوں جا رہا ہوں میں بیاباں کی طرف

خیر قدسی کی نہیں بدلا نظر آتا ہے رنگ
لے چلی ہے وحشت دل کوئے جاناں کی طرف

ذوقِ نظر نگاہِ ناز، روح فزا بہارِ رخ	دل ہے فدائے بے رُخی چشمِ طلب نثارِ رُخ
رمزِ فنا نگاہ میں، رازِ حیات زیرِ لب	قہر کبھی کرم کبھی دیکھ لیا عیارِ رُخ
زیست پہ قدرتِ کمال، موت پہ قبضۂ اتم	واہ ری شانِ دل ربا واہ رے اختیارِ رُخ
نورِ جمالِ بے بہا، رونقِ گلستانِ دہر	ذوقِ فروز رنگِ رُخ، روح فزا بہارِ رُخ
عاشقِ بے قرار نے سیکڑوں کیں خوشامدیں	پھر بھی ادھر نہ رُخ کیا جان کے اُس نے عارِ رُخ

گوشۂ قلب ہی تو ہے منزلِ سوز و سازِ عشق	حُسن کی جلوہ گاہ ہے بارگہِ مجازِ عشق

حسن کے جلوہ زار ہیں وجہِ بہار ہے یہی　　میری نظر سے پوچھئے خوبیِ دل نوازِ عشق

بندۂ حُسن دل بنا اس میں مرا قصور کیا　　کیوں ہے غضب کی دلکشی صورتِ دل نواز میں
ظاہرِ حُسن اک جھلک، باطنِ حُسن اک ادا　　مجھ پہ حقیقتیں کھلیں انجمنِ مجاز میں

اس رحمتِ تمام پہ قربان جائیے　　سو سو ثواب ہیں مرے اک اک گناہ میں

میری بربادیوں کا کیا کہنا　　مٹنے والوں کی داستاں ہوں میں
دیکھ لو دیکھ لو مری صورت　　ایک دو دم کا میہماں ہوں میں
پیر کہتے ہیں کیوں مجھے قدسی
درحقیقت ابھی جواں ہوں میں

میسّر گرچہ خلوت بود شب جائیکہ من بودم　　ز رعبِ حُسن حیرت بود شب جائیکہ من بودم
بہر دردے دوا شد گوشۂ چشمِ غضب آگیں　　پریشانم چہ حکمت بود شب جائیکہ من بودم
بہر لب نالۂ پیہم بہر دل شورشِ ماتم　　بہر گم طرفہ حسرت بود شب جائیکہ من بودم
بہ آغوشش صبا آمد شمیم گیسوئے مشکیں　　عجب مستانہ نکہت بود شب جائیکہ من بودم
بچشمِ ظاہری شمعِ جمالِ معنوی روشن　　مجاز اندر حقیقت بود شب جائیکہ من بودم
بہ شیشہ بادۂ رنگیں بہ بر آرامِ دل قدسی
بہ گردشں جامِ عشرت بود شب جائیکہ من بودم

جلووں کی فراوانی آنکھوں میں سمائی ہے　　آخر میں چھپاؤں گا اندازِ جنوں کب تک
جذبات کی نیرنگی دم لینے نہیں دیتی　　میں صورتِ آئینہ خاموش رہوں کب تک
ہمدم مرا افسانہ گو رازِ محبت ہے　　لیکن نہ کہوں کب تک پھر یہ کہ کہوں کب تک

مُسکرا کر دیکھ میری زندگی ہو جائے گی　　ظلمتِ ہستی میں اک تابندگی ہو جائے گی
نذرِ تیغِ ناز ہونے کے لئے دل چاہیے　　اُف بھی لب پر موجبِ شرمندگی ہو جائے گی

وہ دل رہا نہ اب وہ زمانہ شباب کا　　مُنہ دھو رہا ہوں میں عرقِ انفعال سے

دیکھو تو ذرا دیوانے کو کیسی ہے یہ مدہوشی　　سجدہ بھی کیا پیمانے کو اللہ رے مے نوشی
چپ رہنے میں کیفِ الفت ہے کہیئے نہ زباں سے کچھ　　کیجے نہ بیاں افسانے کو اک چیز ہے خاموشی
بے تابیِ رہرو دیکھو تو آندھی سے فزوں تر ہے　　بے چین ہے منزل پانے کو اللہ ری رہ کوشی
طے کر لئے درجے تقویٰ کے قدسی نے جوانی میں
اب اوج ہوا میخانہ کو ہے مے سے ہم آغوشی
آنکھیں تھیں ساقیِ کوثر کی یا گردش تھی پیمانے کی　　رندوں کو خبر مستی میں تھی اپنی نہ کسی بیگانے کی
ہمراز نہ پوچھ کہ کیا گذری مجھ دشت نوردِ وحشت میں　　تشریح کوئی کس دل سے کرے اُس درد بھرے افسانے کی

جب حُسن سے آنکھیں چار ہوئیں اک برقِ تجلّی دل پہ گری وہ طور کہ جس کی شہرت ہے اک دُھن ہے مرے افسانہ کی

ہر عبارت سے ہیں ظاہر معنیِ اتمامِ زیست ہر ورق ہے میرے دل کا اک کتابِ زندگی
سعیِ پیہم سے قدم پیچھے نہ ہٹنا چاہیئے ہو رہیں گے اک نہ اک دن کامیابِ زندگی
مکتبِ دنیا سے اے قدسی سبق حاصل کرو
ختم ہو جائے گا اک دن یہ نصابِ زندگی
چشمِ بینا ہو تو ہر شے ہے محبت کا سبق ذرّے ذرّے سے عیاں حُسن کی رعنائی ہے

اُڑائیں نگہتیں زلفِ دوتا کی بلائیں لیجیۓ بادِ صبا کی
خدا کی شان دیکھو، عاشقی ہیں اثر کے واسطے ہم نے دعا کی

به خانقاه مرو از خیال خامِ نشاط گدائیِ درِ میخانه به بکامِ نشاط
بیا بمن که مکافاتِ عهد زهد کنم نموده اند به میخانه اهتمامِ نشاط
دلم خراب ز دنیا شراب خانه کجاست که داغِ رنج بشوییم زیک دو جامِ نشاط
به میکده ز صراحی، به مسجد از سجده بهر طریق بجوییم مدام کامِ نشاط
بیا به میکده و هیچ غمِ مخور زاهد که مَے فروش کریم ست و مَے به جامِ نشاط
بده بده قدحے از مئے ازل ساقی که تا ابد به دلِ ما شود قیامِ نشاط

اگر مقامِ رضا یافت پیر در صد سال
رسید رند بہ یک جام بر مقامِ نشاط

چہ خوش بود کہ بہ بخشد خدائے بخشندہ
روند رند بہ واعظ پئے سلامِ نشاط

گہے کہ عشق بہ قدسی حوالہ میکردند
بدست دخترِ رز دادہ شد زمامِ نشاط

چشمِ جادو نہ صورتِ زیبا
دلبری کے لئے ہے ناز کی شرط

حُسن کو عشق کی ضرورت ہے
ناز کے ساتھ ہے نیاز کی شرط

بخت رسانے سلسلۂ دل ملا دیا
وہ طالبِ نیاز ہے میں ہوں فدائے ناز

اللہ رے فرازِ تخیل کہاں گیا
اے دل ادب کہ آگئی خلوتسرائے ناز

انسان میں ہے جلوۂ حُسنِ کمالِ روح
باطن کی آنکھ چاہیئے بہرِ جمالِ روح

رازِ درونِ پردہ ز رندانِ مست پُرس
زاہد کو کیا خبر کہ ہے کیا اتصالِ روح

اللہ رے ذوقِ رفعتِ قدسیِ پاکباز
کر کے عروج سدرہ پہ پہنچا کمالِ روح

میں ہی کچھ تیرے تجمل کی نہیں ہوں تشریح
خود ترے حُسن نے ہر حُسن پہ پائی ترجیح

تیرے رُخسار سے نسبت ہے بھلا کیا گُل کو
پھول خود کرتے ہیں زیبائشِ رُخ کی تصریح

تیری آنکھوں سے عیاں برقِ تجلّی کا وجود
تیری صورت نے ہوالنّور کی کر دی تشریح

نازوالے ترے ہر ناز پہ سو جاں سے نثار
تیری ہر شان ادا زندہ دلوں کی تفریح
تیرے اطوار سے ہے تیرا تجمل ظاہر
تیرے انداز سے ہے تیرے شرف کی تصحیح
شان والوں سے ہے ممتاز تری شانِ جمال
سارے عالم کے حسینوں پہ تجھے ہے ترجیح
تیرے اقوال سے ہر علم کا دروازہ کھُلا
تیرے اعمال سے ہوتی ہے عمل کی توضیح

ایک لمحہ بھی نہیں ذکر سے غافل قدسی
سارے ذرّات مرے دل کے ہیں محوِ تسبیح

کون یاد آگیا مجھے ، کہ بنی
پردۂ اشک آستینِ نیاز
نکتہ داں جانتے ہیں رمزِ طلب
منزلِ ناز ہے قرینِ نیاز
بچھ ہی جا اے دلِ فسُردۂ عشق
عرش کے پاس ہے زمینِ نیاز
ہوگیا وہ مجاز میں ظاہر
محوِ سجدہ ہو اے جبینِ نیاز
فلسفہ ہے نیازمندی کا
یعنے بننا ترا امینِ نیاز

ہوگیا ناز آفریں کے لئے
قدسیِ بے ریا رہینِ نیاز

آج آوارۂ منزل کا فسانہ سُن لو
یعنے گم گشتگیِ دل کا فسانہ سُن لو
نہ سُنو حسن کا رنگین ترانہ نہ سُنو
آؤ آوارگیِ دل کا فسانہ سُن لو

زندگی بھر کے لئے رازِ ہدایت ہوگا
ایک دن قدسیِ کاہل کا فسانہ سُن لو

اُن کی نگاہِ ناز میں افسوں نہیں ہے اب رگہائے دل میں یا اثرِ خوں نہیں ہے اب
دل کے تمام تار پراگندہ ہوگئے نالہ بھی میرے قلب کا موزوں نہیں ہے اب

ذوق افزا ہوا تکلّم لب وجد میں لائے گا ترنّم لب
لن ترانی سے میرا کیا ہوگا برق پاشی کرے تبسّم لب

تو ذکرِ حق کن و قدسی صفات و ذات مپرس
کہ عاقلاں ہمہ اینجا چو مست خاموش اند

ابر آئے، گُل کھلیں، باغِ جہاں میں کچھ بھی ہو
وہ جوانی جاچکی، وہ ولولہ جاتا رہا
دو گھڑی دل ہی بہلتا تھا خیالِ یار سے
مدتیں گذریں کہ وہ بھی مشغلہ جاتا رہا

صاف ہونا چاہیئے دل طالبِ دیدار کا ذرّہ ذرّہ آئینہ ہے جلوہ گاہ یار کا
حضرتِ موسیٰ کا غش کھانا تعجب خیز تھا یاں تو آنکھیں کُھل گئیں جلوہ جو دیکھا یار کا
میں قیامت کے اُٹھانے سے بھی اُٹھ سکتا نہیں جنتِ راحت ہے سایہ آپ کی دیوار کا
بے سبب قدسی نہیں یہ دربدر کی ٹھوکریں
ڈھونڈتا ہوں راستہ دولت سرائے یار کا

ہائے ناکام تمنا آج تجکو کیا ہوا جو عیادت کے لئے آیا، گیا روتا ہوا
اس قدر صیاد سے رہتا ہوں میں سہما ہوا دم نکل جاتا ہے گلشن میں اگر کھٹکا ہوا
چاک دیکھا جب گریباں میں تو وحشت نے کہا آپ سے باہر نکلنے کے لئے رستہ ہوا
کون کھاتا رات دن دیر و حرم کی ٹھوکریں خیریت گذری کہ بندہ آپ کا بندہ ہوا

حسرتوں کا خون ہوتا ہو تو ہونے دیجئے
دل رہے قدسی فنا کے رنگ میں ڈوبا ہوا

مرگ ہے پردہ کشائے رُخِ ملکِ جاوید زندگی کے ہیں حجابات میانِ برزخ

زندگانی میں ہے دشوار سمجھنا قدسی
اک معمہ ہے ہر اک رازِ نہانِ برزخ

لبِ شیریں سے ہے حاصل تلمیذ اس لئے ہیں مرے الفاظ لذیذ
آئے وہ پھول چڑھانے کے لئے نقشِ حب تھا کہ لحد کا تعویذ

جان حامل ہے اشاراتِ قِدم کی لیکن دل کا میدانِ مصفا ہے بیابانِ حدوث

دل کر رہا ہے آج گلستاں سے چھیڑ چھاڑ پھولوں سے چھیڑ چھاڑ ہے ریحاں سے چھیڑ چھاڑ
اللہ رے ذوقِ مرگ جوانانِ عشق کا جانباز بن کے کرتے ہیں پیکاں سے چھیڑ چھاڑ

کیوں لذتِ خلش کی بہاریں نہ لوٹتے
زخمِ جگر کی ہو گئی مژگاں سے چھیڑ چھاڑ

رازِ خفی تہیۂ گریہ کا کھل گیا
کی جوشِ سیلِ اشک نے طوفاں سے چھیڑ چھاڑ

عشقِ جنوں نواز میں گھبراؤں کیوں کہ ہے
داماں سے چھیڑ چھاڑ گریباں سے چھیڑ چھاڑ

رنگ رُخ میرا لہو کے ساتھ اڑتا ہے، اُڑے
ڈر یہ ہے دستِ حنائی کا اُڑا جاتا ہے رنگ

تو نہ جان راہ کی مشکلیں، تو نہ دیکھ منظرِ خوف زا
تو نہ گن کہ کتنے اسیر ہیں یہ حساب یک صدو بیج ہیچ
مجھے بے نیاز بنا دیا کسی ناز والے خیال نے
ہے بلا مبالغہ دل غنی، ہے نظر میں دولت و گنج ہیچ

حُسنِ نظر کی ہر فضا ایک فضائے مست ہو
اُس کی نگاہ سے اگر شیشۂ دل شکست ہو

پہلے تو دل کو نذر کر تا کہ شباب مست ہو
جان نثار کرنے کا پھر کوئی بندوبست ہو

آہ وہ کر کہ ہو فنا ساری یہ کائناتِ کن
پھر وہی نغمۂ ازل اور وہی الست ہو

سحَر کی کچھ تو صورت ہو شبِ غم
مریضِ درد کو چادر اُڑھا دو

تمنائیں مٹا کر کیا ملے گا
مٹاتے ہو تو ہستی کو مٹا دو

کر مشق نہ ادچھے واروں کی رہ جائے گی خامی ہاتھوں میں
ہو تیغ چلانا قدسی پر تو ہاتھ نئے انداز کے سیکھ

سازِ ہستی نہ رہا حاملِ بارِ نغمہ — بے غرض ہو گئے مضراب سے تارِ نغمہ
شاد باش اے دلِ ناشاد کہ ہے قابلِ دید — محفلِ ناز میں تصویرِ بہارِ نغمہ
سازِ ہستی میں بجیں عشق و محبت کی گتیں — میرے جذبات اُڑے بن کے غبارِ نغمہ
ہمنوا بربطِ رنگیں کو ذرا چھیڑ تو دے — دیکھنی ہے ہمیں تنظیم عیارِ نغمہ
تارہائے نفس و سازِ ربابِ ہستی — ان ہی اجزا پہ ہے بس دار و مدارِ نغمہ
دل کشی ہے مرے نغماتِ محبت میں کہ سحر — آج رنگینیٔ محفل ہے نثارِ نغمہ

نالے پہنچے ہیں فلک پر کہ دکھائیں قدسی
آسماں والوں کو بھی رنگِ وقارِ نغمہ

غافل مباش اے دلِ آسودگی پسند — درجہ سکوں ہے تیرے لئے انتہائے درد
آنکھیں ہیں منتظر کہ وہی جلوہائے حسن — ہو جائیں پھر جہاں کے لئے اک بنائے درد

ناشر

سیّد ابرار حبیب مدیر مکتبہ ناصریہ
آستانہ مُبارک بھوپال

بزمِ ادب

ناظم

حقائق آگاہ معارف دستگاہ حضرت مرشد عالم سیّد اسد الرحمٰن قدسی

دامت برکاتہم

مطبوعہ

لطیفی برقی پریس دہلی

عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	مقدمہ	۱	۱۴	شاعری	۲۴
۲	تلاشِ حسنِ حقیقی	۷	۱۵	یادِ ایّام	۲۶
۳	لرزشِ تخئیل	۸	۱۶	طور	۲۸
۴	چشم رحمت بکشا	۱۰	۱۷	شبنم	۳۰
۵	ذکر ولادت سرکار دوعالم	۱۱	۱۸	منظرِ شوق	۳۳
۶	پھول	۱۳	۱۹	شام	۳۴
۷	تاجدار چمن	۱۴	۲۰	شب	۳۶
۸	گُل و بُلبل	۱۵	۲۱	نیند	۳۸
۹	ظہورِ اسلام	۱۶	۲۲	سَحَر	۴۱
۱۰	پرستارے	۱۸	۲۳	طلوع آفتاب	۴۲
۱۱	زاہد خشک	۱۹	۲۴	نمودِ روزِ روشن	۴۳
۱۲	محبت کا جوگی	۲۰	۲۵	جہانِ فقر	۴۶
۱۳	فلسفۂ حسن و محبت	۲۲	۲۶	قطعات	۴۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

از جناب مولوی سید محمد یوسف صاحب قیصرؔ

ادب و انشا میں بہ نسبت نثر کے شاعری کو اس وجہ سے تفوق و امتیاز ہے کہ وہ اپنی دلچسپی اور دل کشی کے اعتبار سے انسانی جذبات و حسیات کو جلد اپنے قابو میں لے آتی ہے اگر کوئی شاعر اپنے جذبات و تخئیل کو نظم کر سکتا ہے اور استعارات و تشبیہات کے ذریعہ سے اپنے خیالات کو ظاہر کر سکتا ہے تو وہ بہ نسبت ایک نثر گو کے آسانی سے اپنے مخاطب کو اثر پذیر کرتا ہے۔

شاعری — شاعری میں غزل ایک ایسا شعبہ ہے جس میں شاعر کے تخیل اور جذبات کی فراوانی کے لئے بہت ہی کم گنجائش ہے۔ مخمس، مسدس، مثنوی، ترکیب بند، ترجیع بند وغیرہ یہ سب نام اظہار جذبات و خیالات میں وسعت پیدا کرنے کے لئے رکھے گئے ہیں اور اس کے ذریعہ سے شعراء متقدمین مسلسل طور پر اپنے

خیالات ظاہر کرتے رہے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اُس زمانہ کی یہ شاعری باعتبار اپنی ژرف نگاہی اور دقیقہ سنجی کے، استعارات، تشبیہات، تمثیلات اور دیگر صنائع وبدائع شاعری کا ایسا مکمل نمونہ ہیں جس کے لئے ہم اب تک اپنے دل میں ان کی قدر و عظمت و احترام کا جذبہ پاتے ہیں۔

نظم جدید

زمانہ گذرتا گیا اور اپنے ساتھ اپنی تمام چیزوں کو بھی لیتا گیا۔ انسان اپنے شعور و ادراک میں ترقی کرتا گیا جس سے معاشرت میں بھی تغیر ہوا اور اسی کے ساتھ علوم و فنون میں بھی حالات کی مناسبت سے ترمیم و تبدیلی ہوئی۔ یہ غیر ممکن ہے کہ ادب و انشا جو علوم میں سب سے زیادہ دل چسپ اور دل کش چیز ہے ایک جگہ پر اپنی اصلی حالت میں رہتے۔ اس میں بھی تغیر ہوا، شاعری میں ندرت و جدت پیدا کی گئی اور خیالات کے مسلسل اظہار کے لئے مثنوی ترکیب بند ترجیع بند کو نظم کے نام سے موسوم کیا گیا اور جس کو بہت کچھ ترمیم کے ساتھ مذاق کے مطابق بنا لیا گیا اور اب وہ شاعر کے جذبات و خیالات کا ایک وسیع مستقر ہے۔

حضرت اقدس مدظلہ کی نظمیں

مرشد عالم حضرت اَسَدُ الرَّحمٰن قدسی مدظلہ العالی ابتدا ہی سے معرفتِ ربانی کے شیفتہ اور دل دادہ ہیں۔ یہی انوارِ حقیقت و معرفت نظموں میں جلوہ فگن ہیں۔ مثلاً "تلاشِ حُسنِ حقیقی" میں طائرِ نگاہ نے تمام مجازیات کو

چھان مارا آسمان کے بھی چکر لگائے اور اسی تلاش و جستجو میں اس کو وہ نور مل گیا جہاں ہزاروں سجدے تڑپ رہے تھے اور تجلیات کے طوفان بپا تھے۔

"لرزشِ تخیل" میں بھی یہی رنگ نمایاں ہے۔

"چشمِ رحمت بکشا"، ذکرِ ولادت سرکارِ دو عالم "ظہورِ اسلام"، تو ایسی نظمیں ہیں جن کو پڑھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے اور عقیدہ کو استحکام و تقویت ہوتی ہے۔

"پھول"، کی نظم میں حضرت محترم نے جب اُس کی رنگینی، نکہت تبسم اور خندہ کی اثر اندازی کا سوال کیا تو اس نے برجستہ جواب دیا۔

"بے خبر! حُسنِ ازل سے میں ہوا ہوں فیض یاب"

"تاجدارِ چمن"، اور "گل و بلبل"، بھی اسی چمنستان کے وہ شگفتہ پھول ہیں جن کی نکہت تمام تر روحانیت میں بسی ہوئی ہے۔

"زاہدِ خشک"، نے عشق و محبت کی مذمت کرتے ہوئے جب کہا کہ اس چیز نے کسی وقت بھی مجھ کو اپنا گرویدہ نہیں بنایا اور آپ ہیں کہ ان بتانِ شوخ کے پیچھے خراب و رسوا ہو رہے ہیں تو آپ نے جواب دیا۔

من نیم مبتلائے ظاہرِ حُسن　　من نیم محوِ شکل سیمائی

در نگاہم فروغ حُسنِ ازل　　در دلم جلوہ ریز شانِ اجل

اسی طرح "پرستارے"، میں ایک برہمن نے اس مسافرِ طریقت کے

نورِ تکلم سے اپنے دل کو روشن کیا۔
"محبت کے جوگی" نے افسانۂ محبت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے آخر میں سو بات کی ایک بات کہدی

"کامل طلب اگر ہو، ہر ذرّہ اس جہاں کا تفسیر مدعا ہے"

"فلسفہ حسن و محبت" اور "شاعری" بہترین نظمیں ہیں جو اپنی جگہ پر حسن و محبت کا حقیقی فلسفہ اور شاعری کا مقصدِ اصلی ہیں۔
"یادِ ایامے" اور "طور" جیسی دلکش نظموں کے بعد "شبنم" "منظرِ شوق" ایک خاص کیفیت دماغ میں پیدا کرتے ہیں اور آنکھوں کے سامنے ایک ایسا منظر آجاتا ہے جو مضطرب قلب کے لئے بے حد تسکین بخش ہے۔
"شام"، "شب"، "نیند"، اپنی جلوہ پیرائیوں اور اپنے موضوع کی نور پاشیوں سے دماغ کو روشن بنا دیتی ہیں۔ شام کا شفق گوں منظر، ستاروں کی تقریب ضیا افگنی اور شب کی ظلمات، نیند، جو انسان کے لئے ایک "غیر مستقل موت" کا درجہ رکھتی ہے ان نظموں میں عجیب ندرت اور کیفیت پیدا کر دی گئی ہے، اگرچہ شام، شب، نیند، انسان اور اس کی کائنات کے ضروری لوازم ہیں لیکن حضرت محترم نے شب کی تاریکی کو ایک فضائے نور اور نیند کو ایک پُر کیف

بیداری بنا دیا ہے۔

شام، شب، نیند، کے بعد "سحر" ہوتی ہے، "نمودِ روزِ روشن" ہے جس میں انسانی زندگی کے وہ سربستہ راز ہیں جس کی گرہ کشائی کے لئے حضرتِ اقدس مدظلہٗ ہی کے ناخن تدبیر کی ضرورت تھی جس سے یہ مسائل حل ہو کر آنکھوں کے سامنے آگئے اور نگاہوں سے شام، شب، نیند کا پردہ ہٹ گیا، سحر اور نمود روز نے آنکھوں اور دلوں کو روشن کر دیا۔

"جہانِ فقر" جو اس مجموعہ نظم کی آخری نظم ہے فقیروں اور پیروں کے اقسام بتائے گئے ہیں کہ ان سے سوائے قزاقی اور غارت گری کے کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ یہ لوگ فقیری کو بدنام کرنے والے اور اس کے نام سے دریوزہ گری کرنے والے ہیں۔

غرض کہ حضرت اقدس مدظلہ کی ہر نظم اپنے دل کش اثر کے لحاظ سے لاجواب ہے اور ان تمام نظموں میں ممدوح محترم کا وہ نصب العین جو حقیقت میں ان کی زندگی کا نصب العین ہے پوری طرح نمایاں ہے۔

اوائل عمری میں بزمانۂ طالب علمی یہ واردات قلبی منظوم ہوئے تھے پہلا مجموعہ انجمن اردو نے ۱۹۱۲ء میں شائع کیا تھا پھر ۱۹۳۰ء میں جب نغمات طبع ہوئے تو اس کے ساتھ چند نظمیں طبع ہوئیں،

اب اہلِ ذوق کے اشتیاق سے متاثر ہو کر جناب مکرمی سید ابرار حبیب صاحب اس مجموعہ کو خاص اہتمام سے شائع فرما رہے ہیں۔
خدا کرے یہ مجموعہ بہت مقبول ہو۔

دیرینہ وفاکیش

قیصر

یکم رجب ۱۳۵۷ھ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تلاشِ حُسن حقیقی

تلاشِ حسن میں جب طائرِ نگاہ چلا — ہر ایک ذرّہ پکارا کہ خوب راہ چلا
چمن بھی پھول بھی رنگِ بہار بھی دیکھا — سمندروں میں گیا کوہسار بھی دیکھا
حرم میں دیر میں ہر خانقاہ میں پہنچا — شراب خانہ میں ہر درس گاہ میں پہنچا
نظر فریب مناظر غریب نے دیکھے — مگر نہ آئے نظر حُسن کے کہیں جلوے
مجازیات میں جب حُسن کا پتہ نہ ملا — نظر کو ذوقِ تجلّی فضا میں لے کے اُڑا
فضا خموش تھی اور کائنات سوتی تھی — مگر نظر متمنّی کسی کے جلوے کی
فلک پہ جا کے وہاں کا بھی ماجرا دیکھا — تلاش جس کی تھی اُس کا کہیں نشاں نہ ملا
فرازِ چرخِ بریں سے گذر گیا اوپر — جہاں تمام میں پھیلی تھی نور کی چادر
نگاہِ شوق میں جب یہ جہانِ نور ملا — ادب سے گوشۂ چادر پہ سر جھکا ہی دیا
تڑپ رہے تھے جبیں میں ہزارہا سجدے — تجلّیات کے طوفان تھے کہ برپا تھے
غرض کہ طائرِ نظّارہ محوِ سجدہ تھا — تبسّموں سے نمایاں تھا حُسن کا جلوا

تجلیوں کی چمک نے نظر کو گھیر لیا
بہارِ حُسنِ حقیقی کو آنکھ نے دیکھا

لرزشِ تخئیل

عرش پایہ ہے لرزشِ تخئیل
ہے تصور میں نور کی قندیل

فکر آئی ہے آج بن کے براق
ہاں خبردار چرخِ نیلی رواق

دل میں اٹھیں نشاط کی موجیں
زیرلب انبساط کی موجیں

وہم آئے حسین بن بن کر
آخر آ ہی گئی وہ شکل نظر

آنکھیں جو یا تھیں جس کی مدت سے
جس کے جلوے کی آرزو تھی مجھے

شکرِ ایزد کہ اُٹھ گیا پردہ
بے حجاب آگیا نظر جلوہ

لوح محفوظ ہے جبیں اُس کی
جس میں لکھی ہے میری قسمت بھی

دونو ابرو ہیں دو پرِ جبریل
درمیاں جن کے صورِ اسرافیل

صفِ مژگاں ملائکہ کے پَرے
جو نگہبان ہیں نگاہوں کے

دونو آنکھیں ہیں نور کے دریا
یا ہیں مرکز جمالِ زیبا کا

خطِ بینی نشانِ یکتائی
جس کے حصہ میں شانِ یکتائی

دونو رخسار دو تجلّی گہ
دیکھ کر جن کو ہو نظر خیرہ

دونوں لب مرگ وزلیست کے حامل
یا حقیقت کے مرشدِ کامل

ہے دہن درس گاہِ حقانی
یا ہے اک خانقاہِ روحانی

باب ہاہیں معرفت کے دنداں سب
علمِ پنہاں، ہوئے نمایاں سب

ہے زباں ایک ہاتفِ غیبی / یا طلسماتِ غیب کی کنجی
اُس کے دو ہاتھ دو فرشتۂ قدس / لکھتے رہتے ہیں جو نوشتۂ قدس
اس کے بازو ستونِ عرشِ مجید / اُس کے قبضہ میں رازِ لوحِ حمید
ہے کفِ دست اک صحیفۂ عشق / ناخنوں میں ہیں کچھ لطیفۂ عشق
اس کا سینہ ہے فیض کا چشمہ / علم و عرفاں کا ایک گنجینہ
وہ ہے حاملِ رموزِ یزداں کا / وہ امیں ہے امورِ عرفاں کا
ہر اشارے میں اُس کے حکمِ قضا / اس کی ہر بات ایک شانِ خدا
مسندِ ناز کا وہ صدر نشیں / فلکِ حسن کا وہ ماہِ مبیں
زیبِ سر اُس کے تاجِ سلطانی / رونق افزا قبائے نورانی
نور افروز ہے فضائے جمال / دل مرا ہوگیا فدائے جمال

اس کی ہستی ہے اِک بہارِ حُسن
اور قدسی ہے اک نثارِ حُسن

چشم رحمت بکشا

طیبۂ ناز کی وسعت نے زمیں کو گھیرا
یثرب عشق میں اُترے ملکِ نور لقا
کعبۂ حُسن کا خورشید درخشاں نکلا
صبح جلوہ نے رُخِ کفر کا منہ پھیر دیا
ارضِ دل بن گئی اک نور کی دنیا گویا
رونق قلب بنا جلوۂ انوارِ حرا

پردے جتنے تھے اُٹھے روح کی نظروں سے سبھی
درجے جتنے تھے محبت کے ہوئے طے وہ بھی
سب مقامات و مراتب کی زمیں بھی سمٹی
میں سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ بجلی چمکی
گر پڑا حضرتِ موسیٰ کی طرح غش کھا کر
اے خوشا بخت کہ رحمت نے سنبھالا آکر

تو نے الطاف کے ہاتھوں سے نوازا ہے مجھے
تیری ہی ذاتِ گرامی کا سہارا ہے مجھے
میں تو مدہوش تھا تو نے ہی سنبھالا ہے مجھے
تیری توصیف کی طاقت ہے نہ یارا ہے مجھے
تو ہے اک حُسن سراپا تری ہستی نوری
نہیں ممکن کہ کروں مدح میں پوری پوری

میری آنکھوں نے ترے حُسن کا جلوہ دیکھا
دلِ مشتاق نے اک نور کا نقشہ کھینچا
جان کے ساز سے تیرا ہی ترانہ نکلا
اک ترے نام کی نسبت سے مرا رتبہ بڑھا

ایک شعلہ ہے کہ روشن ہے مثالِ نیّر
ایک جلوہ ہے کہ ہر دم ہے وہی پیشِ نظر
اے کہ تو ہے فلکِ حسن کا مہرِ تاباں   اے کہ دنیائے محبت ہے تجھی پر نازاں
اے کہ تو عالَمِ ہستی میں ہے اک روحِ رواں   اے کہ تو سرورِ کونین ہے اے شاہِ شہاں
اے کہ معراجِ نبوّت ترے دم سے برتر
چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر

ذکرِ ولادت سرکارِ دوعالم

کیوں آج اوجِ ناز پہ ہے چرخِ سرفراز   پائی زمیں نے آج یہ کیوں شانِ امتیاز
کیوں آج رنگِ گلشنِ عالم ہے دل نواز   کس واسطے ہے قلب کی دنیا میں سوز و ساز
کیوں شہ سوارِ شوق ہے میداں میں گامزن
کیوں ہے نظر فروز گلستاں کا پیرہن
ارضِ نیاز پر ہیں یہ کیوں سجدہ ریزیاں   ہیں آسمانِ ناز پہ کیوں جلوہ خیزیاں
عرشِ عظیم پر ہیں یہ کیوں نور بیزیاں   آوازِ غیب میں ہیں یہ کیوں اتنی تیزیاں
کیوں حُسن کی ہوئی ہے تجلّی نظر فروز
دنیائے عشق میں ہے یہ کیوں آج ساز و سوز

پیدا جنابِ سرورِ کون و مکاں ہوئے　　پردے میں جتنے راز تھے وہ سب عیاں ہوئے
باطل پرستیوں کے فسانے گماں ہوئے　　دل سے نشانِ ظلمت وغم بے نشاں ہوئے
جاں منزلِ مجاز میں جویائے حق ہوئی
صد آفریں کہ راہِ حقیقت کو پا گئی
وہ تاجدارِ حُسن وہ مسند نشینِ ناز　　وہ کارسازِ عشق وہ محبوبِ دل نواز
وہ مظہرِ جمال وہ سلطانِ بے نیاز　　وہ رحمتِ دو عالم و سرکارِ سرفراز
وہ اشرفِ خلائق و سردارِ بحر و بر
یعنی حضور فخرِ رسُل سید البشر
شمعِ حریم و شانِ تجلیٰ حضور ہیں　　معجز نمائیِ دمِ عیسیٰ حضور ہیں
کہتے ہیں جس کو عرش کا تارا حضور ہیں　　حق یہ کہ حق کا نور سراپا حضور ہیں
آئینہ ہیں حضور خدا کے ظہور کا
جلوہ حضور کا ہے کہ شعلہ ہے طور کا
جو بے مثال ہے وہ گُلِ تر حضور ہیں　　جو لاجواب ہے وہی اختر حضور ہیں
جس کا بدل نہیں ہے وہ گوہر حضور ہیں　　بے شک تمام خلق سے برتر حضور ہیں
ہم کو شرف غلامی کا اُن کی ہوا نصیب
ہم اور یہ ودیعتِ عظمیٰ خوشا نصیب
جذباتِ دل اُبل کے دہن سے نکل پڑے　　جو لب خموش تھے وہ رہینِ بیاں ہوئے

مشکل ہے نعتِ سید کونین کیا لکھے　　　ہیں سامعہ نواز مرے دل کے ولولے

قدسی یہ نظم بس اِسی مصرعہ پہ ختم کر

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

پھُول

اے گُل ترا کیسی دل کش ہیں تری رنگینیاں　　　جذب نظروں کو کیے لیتی ہیں کیوں رعنائیاں

کھینچ لایا ہے یہ کس کے عارضِ رنگیں سے رنگ　　　کیوں بھری ہیں تیری رگ رگ میں نظر افروزیاں

گیسوِ عنبر فشاں سے کیا اُڑا لایا ہے بُو　　　تیری نکہت شامّہ کی بن گئی روحِ رواں

کیوں بچھی جاتی ہیں نظریں اک تبسّم پر ترے　　　کیا نگاہِ ناز سے سیکھی ہیں افسوں کاریاں

کیا لبِ نازک سے یہ معجز نمائی چھین لی　　　دل میں گھر کرتی ہیں تیری ناز پرور پتّیاں

مُسکراہٹ سے دلوں پر بجلیاں گرتی ہیں کیوں　　　کیوں ٹپکتی ہیں اداؤں سے تری بدمستیاں

کیوں بنی ہر پنکھڑی تیری تجلّی گاہِ حسن　　　کیوں تری ہستی پہ نازاں ہیں چمن کی ہستیاں

ہے کسی نازک ادا سے تو یقیناً ملتفت　　　ہو رہا ہے تیرے ظاہر سے ترا باطن عیاں

مُسکرا کر پھول نے مجکو دیا قدسی جواب

بے خبر! حُسنِ ازل سے میں ہوا ہوں فیض یاب

تاجدارِ چمن

سحر در باغ زیرِ شاخسارے — گُلے از خار بودہ ہم کنارے
منِ آوارہ چوں موجِ نسیمے — بہ گلشن رفتم و دیدم بہارے
نظر بر خار چوں اُفتاد ناگہ — دلم تشویش آگیں شد کہ بارے
گُل از نوکش اگر مجروح باشد — نیابد چارہ سازے غم گسارے
گُلِ خامُش زبانِ حال وا کرد — بخندید و بگفت اے دل فگارے
چہ وسواسِ فضولی در دل آری — نمے دانی کہ ہستم تاجدارے
منم سلطانِ آفاقِ گلستاں — نگہبانِ من است ایں شاخسارے
برائے من چہ باک از نوکِ تیزش — بخدام است جملہ خار زارے

دریں دَورِ بہاراں نیست آزار
کہ آئینِ چمن فردوس آثار

گُل و بُلبل

بلبل سحرے گفت زگل در چمنستاں   کاے باعثِ صد رونقِ ہر باغ و بہارے
ہر شام و سحر پیکرِ فریادم و گریم   لیکن بہ دلت ہیچ نیفزود خمارے

گُل خندہ زد و گفت بصد شانِ لطافت
جُز دیدنِ خود لطف نہ دیدیم بہ کارے

بُلبل چو شنید از گُلِ خوش رنگ جوابے   بگریست و کشید آہ و نواہا و فغانے
اُفتاد بصد عجز بپائے گُل و گفتا   عمریست کہ خارِ غمِ تست و رگِ جانے

ہیہات کہ تو بیخبری از منِ بیدل
حالانکہ شب و روز توئی وردِ زبانے

خندید گل و گفت زبلبل بہ ادائے   کاے بے خبرِ فطرتِ گُل گنگ زبانے
آئینِ دل آویز ہمین است کہ ہر دم   رنگِ نظر افروز بر آرم بہ زمانے

تا جوشِ شبابِ من صد جانِ تبسّم
یک تازگی داد بہ گل زارِ جہانے

بلبل بہ عجب جوشش بہ پیشِ گُلِ رنگیں   رقصید و نوا کرد و ببوسید زمینے
خوش دل شدہ و گفت کہ اے مالکِ بُستاں   بر پائے تو ہر دیدہ نہد فرق و جبینے

من جانِ گراں مایہ بہ رُخسارِ تو ریزم
زیں ساں کہ بہ انگشتریِ طُرفہ نگینے

ظہورِ اسلام

کیوں خلق کے دلوں میں مسرت کا رنگ ہے — کیوں منظرِ حیات میں فرحت کا رنگ ہے
کیوں دَورِ غم نواز میں عشرت کا رنگ ہے — کیوں عالمِ خموش میں بہجت کا رنگ ہے
ہستی میں انقلاب ہوا اور کیوں ہوا
ہر ذرّہ آفتاب ہوا اور کیوں ہوا

غمگیں دلوں میں راحتِ کامل کا کیا سبب — بے طاقتوں میں طاقتِ کامل کا کیا سبب
نا واقفوں میں حکمتِ کامل کا کیا سبب — کم ہمتوں میں ہمتِ کامل کا کیا سبب
ظلمت طرازیوں کا زمانہ نہیں رہا
غفلت پسندیوں کا فسانہ نہیں رہا

سنگیں بتوں میں آج وہ خونخواریاں کہاں — بُت کے پجاریوں میں وہ قربانیاں کہاں
آتش کدوں میں آگ کی وہ گرمیاں کہاں — دنیا کے صومعوں میں وہ جاں بازیاں کہاں
مے کا نشاط دہر سے کافور ہوگیا
ساقی کا فیضِ عام بھی سب دور ہوگیا

جاں اک رباب بن گئی مضراب دل بنا — تارِ نفس سے آنے لگی عشق کی صدا
سازِ وجود بن گیا اک سازِ حق نما — حُسنِ ازل سے روح کا بس سلسلہ ملا

سب بھید منکشف ہوئے امراللہ کے
سارے حجاب اُٹھ گئے اپنی نگاہ کے

تاریکیوں کو میری اُجالا بنا دیا   قسمت کو میری بختِ زلیخا بنا دیا
میں تھا علیل مجکو مسیحا بنا دیا   گویا شبیہِ حُسن سراپا بنا دیا

اس شانِ بے نیاز کے قربان جائیے
کانٹوں کے بدلے گُل مرے دامن میں بھر دیئے

دنیائے دل سے کفر کی ظلمت فنا ہوئی   کیفیّت سرورِ اتم رونما ہوئی
باطل پرستیوں کی تمنا ہوا ہوئی   رنگینیٔ نشاط جمال آشنا ہوئی

رُخ ہی پلٹ گیا ہے جہانِ خراب کا
اک دم ثواب بن گیا نقشہ عذاب کا

بُت بھی ہیں اور اُن کے پُجاری بھی دہر میں   آتش کدے بھی اُن کے فدائی بھی دہر میں
ہیں صومعے بھی اور مسیحی بھی دہر میں   مے بھی ہے میکدے بھی ہیں ساقی بھی دہر میں

ہاں اُن کو ظلمتوں نے چھپایا ہے سربسر
شمعِ حرم کی روشنی چھائی ہے دہر پر

ہر ذرّۂ زمیں ہے جوابِ فضائے طور   ہر دل میں ایک کیف ہے اور کیف میں سرور
ارض و سما میں پھیل گئے جلوہائے نور   شہرت ربائے کفر ہے اسلام کا ظہور

روشن وفورِ حُسن سے کون و مکاں ہوا
طغیانِ النفسی کا اندھیرا نہاں ہوا

پرستارے

برہمن گفت از من اے مسافر　چرا در راہِ غم عمرے گذاری
ببیں حالِ من دَیر آشنائے　کہ ہردم پیشِ بُت ہستم بہ زاری
بہ نرمی گفتم اورا سادہ لوحی　بُتِ سنگینِ تو از حُسن عاری
چہ سود آں سنگ دل را سجدہ کردن　ندارد آنکہ آگاہی بہ زاری
مَن رَہرو فدائے آں حسینم　کہ تابِ جلوہ اش ہرگز نہ آری
ز حالِ من بخوبی با خبر ہست　نہ چوں آں بُت کہ بروے اشکباری
کریم و ذوالجلال و بندہ پرور　خبردارِ پرستارانِ یاری
بجویم درگہِ اورا بہ منزل　یقیں دارم کہ یابم کامگاری
بخندید و بگفت از من برہمن　اگر ایں است حالِ راہ داری
فدائش ہمچو تو من نیز گشتم　مَنِ گمراہ را ہمراہ داری
تبسّم ریز و خوشش دل گشت آنکس　کہ از یک کلمہ شد مقصد براری
ز پیشانی نشانِ قشقہ برداشت　زبانے جُست و قفِ شُکرِ باری
بگوشش آمد ہمیں دم ایں صدائے　منادی گفت بر گردوں زیاری

پرستش ہائے بُت سودے ندارد
دلِ سنگیں بہ کس مَیلے نیارد

زاہدِ خشک

زاہدِ خشک مغز گفت از من — اے پرستار حُسنِ ہرجائی
ایں چہ سودا کہ تو بہ سرداری — چیست حُسن و جمال و رعنائی
بر دلِ من اثر نہ کرد نگاہ — نہ شدہ چشمِ من تماشائی
ہیچ چیزے ز حُسنِ ایں اصنام — در دلِ من نہ کرد زیبائی
تو کہ در عشقِ ایں بتانِ شوخ — کردہ خود را خرابِ رسوائی
از وے گفتم کہ اے تجاہل کیش — از حقیقت کجا شناسائی
تو نہ دانی کہ چیست حُسن و عشق — تو نہ دانی کہ چیست رعنائی
خشک مغزی بسوخت دانشِ تو — از شبابے نہ یافت بینائی
بے بصیرت ز حُسنِ برگ و گُل — دُور گشت از تو فکر و دانائی
من نیَم مبتلائے ظاہرِ حُسن — من نیَم محوِ شکلِ سیمائی

در نگاہم فروغِ حُسنِ ازل
در دلم جلوہ ریز شانِ اجل

محبّت کا جوگی

تفریح کی غرض سے　دریائے نربدا پر　اک روز ہم جو پہنچے
کچھ لطف ایسا پایا　اب تک اثر ہے دل پر　گو دن ہوئے بہت سے
حُسنِ ازل کا جلوہ　ہر گل سے آشکارا　ہر برگ سے نمایاں
ہر چیز روح پرور　ہر ذرہ کیف افزا　ہر رنگ حسنِ عریاں
دل کش سُروں میں گانا　خوش رنگ طائروں کا　دل کو لُبھا رہا تھا
کھیتوں میں آہوؤں کا　دوڑیں لگاتے پھرنا　حد درجہ دل ربا تھا
کُہسار کی بلندی　سیم و طلا بنی تھی　خورشید کی ضیا سے
جنگل کے منظروں میں　رنگیں ادائیاں تھیں　فطرت کے اعتنا سے
اُس دشتِ پُر فضا میں　الہام آفریں تھے　بادِ صبا کے جھونکے
دریائے حُسن بن کر　گویا کہ بہہ رہے تھے　جذباتِ شوق دل سے
آنکھوں میں بس گئی تھیں　تصویرِ حُسن بن کر　رنگینیاں فضا کی
دل کو لُبھا رہی تھی　تخیُّل زا روانی　دریائے نربدا کی
اتنے میں ایک جوگی　سر پر لٹیں لپیٹے　مستانہ وار آیا
دل میں سرورِ راحت　رُخ سے عیاں محبت　آنکھیں خمار افزا

پوچھا یہ اُس نے ہم سے کیا نام ہے تمھارا سچ سچ بتاؤ بابا
رہتے ہو کس جگہ تم کیا کام ہے تمھارا سچ سچ بتاؤ بابا
مرغوب ہے تمھیں کیوں یہ سیر جنگلوں کی ہم سے کہو تو آخر
محبوب ہے تمھیں کیوں یہ ہولناک وادی ہم سے کہو تو آخر
ہم نے سلام کر کے ہاتھوں کو اُس کے چوما آنکھوں سے بھی لگایا
نام اور نشان اپنا ہم نے اُسے بتایا سب حالِ دل سُنایا
بحرِ سکوت میں وہ کچھ دیر غرق رہ کر بولا نظر اٹھا کر
جانِ جہاں یہ لکھ لو اک بات اپنے دل پر ہم سے نگہ ملا کر
بے شک ہیں جنگلوں میں قدرت کے راز عریاں گر ہو نظر میں وسعت
ہر ذرہ درسِ عبرت ہر برگ گنجِ عرفاں ہر پھول خضرِ الفت
دریا کا قطرہ قطرہ افسانۂ محبت سب کو سُنا رہا ہے
آبِ رواں کا منظر اک رازِ بے نیازی سب کو بتا رہا ہے
القصہ ہر نظارا قدرت کے منظروں کا تصویرِ دل ربا ہے
کامل طلب اگر ہو ہر ذرہ اس جہاں کا تفسیرِ مدعا ہے"

فلسفۂ حُسن و محبّت

اک نوجواں نے مجھ سے یہ پوچھا کہ اے جناب — آیا تھا آپ پر بھی یقیناً کبھی شباب
دیکھا ہے آپ نے بھی جوانی کا اضطراب — دل آپ نے بھی پایا ہے قدرت سے انتخاب
یہ تو بتائیے کہ محبت ہے چیز کیا
دل کی نظر میں حُسنِ بتاں ہے عزیز کیا

ہر پیکرِ شکیل میں رعنائیاں ہیں کیوں — ہر عارضِ جمیل میں رنگینیاں ہیں کیوں
ہر چشمِ مست میں یہ سیہ مستیاں ہیں کیوں — ہر خوبرو میں ناز بھری شوخیاں ہیں کیوں
دل شیفتہ ہوا ہے حسینوں پہ کس لئے
آنکھیں فدا ہیں ماہ جبینوں پہ کس لئے

میں نے کہا کہ حُسن میں ہے ایک تازگی — گویا بلوغ کی ہے نمودِ نمائشی
بس اس قدر ہے رازِ محبت کا واقعی — ہے عنفوانِ عمر کا اک جوششِ عارضی
جس کو شباب کہتے ہیں زورِ زیادہ ہے
اعضا کا ایک جوہرِ ترکیب دادہ ہے

تشکیل میں کشش ہے تناسب میں جاذبہ — ہیجان آفریں ہے عناصر کا ولولہ
تاثیر و امتزاج کا باعث ہے باصرہ — ہوتی ہے آنکھ آنکھ میں تقدیمِ مشورہ

پایا جہاں تناسبِ اعضا نے انحطاط
ہیجانِ عنصری سے روانہ ہوا نشاط

ہے فلسفہ یہ حُسن و محبت کا اے جواں جو کچھ بھی اس کا راز نہاں سب کر دیا عیاں
یہ تھا بخارِ طبع کا اک مختصر بیاں اب حُسنِ کائنات کی سُن مجھ سے داستاں

ہر ذرۂ جہاں سے ہے اک حُسن آشکار
ہر شے میں ایک شانِ تجلّی کی ہے بہار

ہر پھول گلستاں کا ہے اک جاذبِ نظر خوش رنگ طائروں کی بھی ہے شکل میں اثر
وادی بھی کوہسار بھی ہے حُسن سربسر گردوں پہ ہے جمال، شفق بھی کشش کا گھر

ہر چیز اس جہان کی تصویرِ حُسن ہے
ہر ذرّہ کائنات کا تنویرِ حُسن ہے

تجکو ہے اپنے دل کا حقیقت میں اختیار ہر عضوِ جسم پر ہے ترا جبکہ اقتدار
کھوتا ہے کیوں تو اپنی طبیعت کا افتخار کس واسطے بناتا ہے سینہ کو پُر غبار

قابو میں دل نہ ہو تو وہ پھر آدمی ہی کیا
سچ پوچھیۓ تو جانوروں سے بھی بڑھ گیا

ہاں نغمہ و سرود میں ہے لطف و انبساط جامِ شراب میں بھی ہے اک حالتِ نشاط
رندانِ پاکباز سے کرلے تو ارتباط لیکن بتانِ شوخ سے کرنا نہ اختلاط

اشعار شاعروں کے اُبھاریں تجھے اگر
لینا نہ ان کی باتوں سے ادنےٰ سا بھی اثر

ان شاعروں کی ایک بھی سچی نہیں ہے بات
گنتا نہیں ہے کوئی بھی تارے تمام رات
صحرانوردیوں کے غلط سب ہیں واقعات
مقتل میں قتلِ عام کے جھوٹے ہیں حادثات

تیرِ نظر، نہ خنجرِ ابرو، نہ مارِ زلف
محبس کوئی، نہ قید، نہ زنجیرِ تارِ زلف

ابہام کی بنائی ہے دنیائے بے ثبات
موضوعِ شاعری کو بنایا ہے واہیات
کچھ اور ہی ہیں حُسن و محبت کے واقعات
اک درس دے رہے ہیں زمانہ کے حادثات

ہے حُسن کی تلاش تو آئینہ دیکھ لے
دروازے کھُل پڑیں گے محبت کے بھید کے

شاعری

عشق کی دنیائے حسرت زار پر
اتفاقاً جا پڑی میری نظر
اک نیا عالم نظر آیا مجھے
مرکزِ صد انتشار و صد خطر
کوئی رونا رو رہا تھا ہجر کا
مبتلائے اضطرابِ پُر خطر
تھی کہیں تاریکیِ شامِ فراق
تھا کہیں ظلمت نشاں نورِ سَحَر
کوئی شاکی گردشِ تقدیر کا
کوئی ناکامِ دعائے بے اثر
ظلمِ بے جا کا کوئی مارا ہوا
کوئی راحت کی خبر سے بے خبر

تھا کسی کو انہماکِ جستجو،   لوٹتا پھرتا تھا کوئی خاک پر
خون کے آنسو بہاتا تھا کوئی   کوئی مظلومِ نگاہِ فتنہ گر
تھا کوئی آوارۂ دشتِ جنوں   کوئی پابندِ نظامِ شوروشر
کوئی متوالا نگاہِ ناز کا   کوئی ساغر برکف و شیشہ بہ بر
کوئی مفتونِ ادائے بے رُخی   کوئی زحمت خواہِ اندازِ نظر
تھا کوئی رخسارِ رنگیں پر فدا   تھا کسی پر زلف کا طاری اثر
تھا کوئی امیدوارِ وصلِ یار   تھا کسی کو انتظارِ منتظر

الغرض ہر لب پہ تھی آہ و بُکا
الاماں میں نے کہا اور چل دیا

ناگہاں زیبِ نظر تھا اک حسیں   لب تبسّم دوست، آنکھیں سُرمگیں
عارضِ روشن پہ دھوکا صبح کا   روئے زیبا صاف اک ماہِ مُبیں
حُسن میں رنگینیاں ڈوبی ہوئی   غنچۂ دلکش دہن، لب احمریں
جس کی ہر کروٹ میں دل اُلجھے ہوئے   پیچ و خم کی روح زلفِ عنبریں
جس کی ٹھوکر سے تہ و بالا جہاں   وہ خرامِ فتنہ زا محشر فریں
اُس کی آنکھوں کی تجلّی، الاماں   بجلیاں چاروں طرف گرنے لگیں
شوخیوں میں سادگی کو دیکھ کر   لڑگئیں میری نگاہیں لڑگئیں
دل پہ طاری ہوگیا اک اضطراب   بدلیاں کیفیتوں کی چھا گئیں

جوشش سا اُٹھنے لگا دل میں مرے — بھر گئی گویا شرابِ آتشیں
بڑھ کے ذوقِ مضطرب نے یہ کیا — اُس کے پائے ناز تھے میری جبیں
میرے سر کو ناز سے ٹھکرا دیا — اللہ اللہ یہ غرورِ نازنیں
بن کے پروانہ کیے میں نے طواف — ہوگئیں اس کی نگاہیں شرمگیں
عشقِ صادق نے اثر پیدا کیا — لے لیا آغوش میں اپنی وہیں

منزلیں طے ہوگئیں سب خودبخود
جسم جاں شد، جاں بحق تسلیم شد

یادِ ایّامے

خدا جانے کہ وہ کیا حالِ محفل تھا — ہر اک ساغر بکف محوِ مشاغل تھا
گلوں میں شوخیوں کا رنگ شامل تھا — چمن میں ہر طرف شورِ عنادل تھا

ہواؤں میں سرور و کیفِ کامل تھا
غرض اک انبساط و لطف حاصل تھا

مجلّا نور سے آئینۂ دل تھا — تماشائے فضائے حسنِ کامل تھا
قدم کا چوم لینا بھی نہ مشکل تھا — نہ حاجب تھا نہ کوئی پردہ حائل تھا

رسائی کا وہاں تک فخر حاصل تھا
کہ جلوہ میری آنکھوں کے مقابل تھا
ہوے افسانے سب احوال محفل کے بنے اک خواب جلوے حُسن کامل کے
نہ گُل ہیں اور نہ نغمے ہیں عنادل کے مرے دل کی کلی مرجھا گئی کِھل کے
کہاں ہیں بیٹھنے والے وہ مِل مِل کے
کہاں ہیں دیکھنے والے مرے دل کے
شبِ تاریک ہے میں ہوں مرا دل ہے نہ تارے ہیں نہ نورِ ماہِ کامل ہے
غضب ہے چرخ بھی ظلمت کا حامل ہے عجب افتاد ہے تاریک منزل ہے
سفینہ ہے نہ دریا ہے نہ ساحل ہے
نہ ناقہ ہے نہ لیلیٰ ہے نہ محمل ہے
دگرگوں حال اب کچھ ہو گیا دل کا نہ وہ شوخی نہ وہ ہے ولولہ دل کا
رہا باقی نہ کوئی مشغلہ دل کا غرض سب جوش ہی جاتا رہا دل کا
نہیں ہے اب تو کوئی مدعا دل کا
تحیّر رہ گیا اک سلسلہ دل کا

طور

ایک دن تھا میں محوِ راز و نیاز　　یاد آئی مجھے زمینِ حجاز
کرگیا میں بلند اک پرواز　　پڑھی کعبہ میں جاکے میں نے نماز
ارضِ اقدس سے پھر روانہ ہوا
دشتِ سینا کے پاس سے گذرا
وادیٔ طور پر پڑی جو نظر　　لن ترانی کی یاد آئی خبر
دل میں پیدا ہوا عجیب اثر　　جانے کیا کچھ گذر گیا مجھ پر
سنگِ موسیٰؑ کو میں نے سر پہ رکھا
سُرمۂ طور کو نگہ میں لیا
طور خاموش و محوِ حیرت تھا　　جیسے دیکھا ہو جلوۂ زیبا
جل چکا تھا غریب سرتاپا　　ایک خاکِ سیہ کا تھا تودا
تھی مگر اک جلال کی حالت
دھندلی دھندلی جمال کی حالت
آسماں سے اُتر رہے تھے مَلک　　ایک حسرت سے تک رہا تھا فلک
بجلیاں کر رہی تھیں کچھ چشمک　　مل جاتی تھی بس پلک سے پلک

مینے چپ چاپ اُس کا طوف کیا
اپنے جلنے کا کچھ نہ خوف کیا

اللہ اللہ یہ دقارِ طور ہے فضائے جہاں نثارِ طور
کتنا عالی ہے افتخارِ طور منظرِ عرش جلوہ زارِ طور

طور نے دیکھ لی تجلّیِ ناز
ہوگیا آشنائے رازو نیاز

طور تو ہے بہت ہی باعظمت اوجِ تقدیر ہے تری قسمت
تو نے پائی جمال کی دولت تو نے دیکھا ہے جلوۂ قدرت

تیری عظمت ہے واجب التسلیم
تیری چوٹی ہے سجدہ گاہِ کلیم

شبنم

سَحَرگاہے بپرسیدم زشبنم
بگو تو کیستی اے جانِ عالم
شباشب از کجا آئی و رفتی چرا بر دامنِ گُل تکیہ کردی
چرا درشب بہ برگِ تر نشستی چرا بر سبزہ زارے پائے بستی

۹

مجھے کچھ غور سے قطروں نے دیکھا
تبسّم کرکے اک قطرہ یہ بولا
منم بر برگ درمن برگ و بارے منم بر سبزہ درمن سبزہ زارے
منم بر خار درمن شاخسارے منم برگُل بہ من رنگیں بہارے
منم شبنم ولے مہتاب بردوش
منم قطرہ ولے دریا بہ آغوش
میں دریا ہوں مگر ساحل نہیں ہے میں صحرا ہوں مگر منزل نہیں ہے
میں لیلیٰ ہوں مگر محمل نہیں ہے میں رونق ہوں مگر محفل نہیں ہے
کہیں میری تجلّی میں کہیں ہوں
میں سب کچھ ہوں مگر کچھ بھی نہیں ہوں

حقیقت ہے مری رازِ حقیقت مری تخلیق کا باعث ہے الفت
نہاں ہیں مجھ میں اسرارِ محبت مری افتادگی میں ہے فضیلت
مجھے بخشی خدا نے سرفرازی
مجھے حاصل ہے سب سے بے نیازی

مجھے قطرہ نہ سمجھو میں ہوں دریا گناہوں کو میں دھو دیتا ہوں گویا
حقیقت میں ہوں میں آنسو کسی کا عجب پُرکیف ہے افسانہ میرا
بظاہر دیکھنے میں ہوں میں شبنم
مگر ہر بوند میں سو سو ہیں عالم

مسلسل آنکھ سے آنسو جو ٹپکے بنے وہ خوشنما شبنم کے قطرے
جو فرشِ خاک پر سجدہ کو اُترے ستارے بن کے دنیا بھر میں چمکے
لیا آغوش میں پتوں نے اُن کو
جگہ آنکھوں میں دی پھولوں نے اُن کو

کیا بادِ صبا نے خیر مقدم ہوئے برگ و شجر تعظیم کو خم
بچھا دامانِ سبزہ بہرِ شبنم کئے قطرات نے سجداتِ پیہم
سحر چوں مہر از مشرق برآمد
بہ دینِ حق روا کے سجدہ باشد

گلوں نے ہار اپنے سب اُتارے ضیا نے لے لئے دامن میں تارے

شعاعوں نے چُنے قطرات سارے فضائے بحر پر لے جا کے وارے
اُدھر دریا نے سینہ میں جگہ دی
اِدھر جھک کر صدف نے گود بھر لی
صدف سے ٹھن گئی کچھ شوخیوں کی نمائش بحر میں تھی صنعتوں کی
ملی شبنم کو قیمت موتیوں کی بڑھی عزت کچھ ایسی آنسوؤں کی
بنے تاجِ شہنشاہی کی زینت
بڑھی ان سے زمانہ بھر کی دولت
منم شبنم و لے دُرِّ درخشاں منم گوہر و لے خوش آب و تاباں
منم زینت دہِ گوشِ حسیناں منم زیبِ گلوئے مہ جبیناں
عزیزِ بارگاہِ لم یزل ہوں
زمانہ بھر میں اک ضرب المثل ہوں

منظرِ شوق

شعلۂ حُسن یک بیک چمکا ناگہاں عشق روبرو دمکا
گُل پہ دیکھا جو قطرہ شبنم کا دل سے بادل ہٹا وہیں غم کا
قابلِ دید ہے یہ منظرِ شوق

سامنے آئی شکلِ انسانی تھی جو پہلے سے جانی پہچانی
روح پرور تھی لوحِ نورانی صاف رُخ اور صاف پیشانی
قابلِ دید ہے یہ منظرِ شوق

جوشش تھا یا کہ تھا وہ ایک اُبھار وہ مشکّل ہوئی بہ شعرِ بہار
دل میں اُٹھنے لگا عجیب غبار رنگ ہی کچھ بدل گیا اک بار
قابلِ دید ہے یہ منظرِ شوق

اُس کی رنگین تابشیں پھیلیں بیقراری کی نازشیں پھیلیں
سینکڑوں، دل کی خواہشیں پھیلیں ساری ہستی میں سازشیں پھیلیں
قابلِ دید ہے یہ منظرِ شوق

اُس کے نغمات سے گتیں نکلیں یعنی صدہا حکایتیں نکلیں
ہر حکایت میں حسرتیں نکلیں اور حسرت میں آفتیں نکلیں
قابلِ دید ہے یہ منظرِ شوق

طور دیکھے جو زلف کے بل کے   دل کے افکار ہو گئے ہلکے
میری آنکھوں سے اشک جب ڈھلکے   عشق پرداز قہقہے چھلکے
قابلِ دید ہے یہ منظرِ شوق

شام

ہر شاخ پر چمن میں ہے چڑیوں کا اژدہام   پھولوں کے رنگ رنگ میں نزہت کا انضمام
بزمِ بتانِ شوخ میں زینت کا احتشام   معصوم ہستیوں میں تقاضائے اعتصام
رندوں کی محفلوں میں تجمل کا اہتمام   دیر و حرم میں سجدۂ پیہم کا التزام
چرخِ شفق نقاب پہ انجم کا انتظام   تزئینِ کائنات میں ترتیبِ انقسام
مہرِ فلک رکاب کی شدت کا اختتام   کس شان کس غرور سے آیا ہے وقتِ شام
اے شام اپنا دامنِ رنگیں بچھا ذرا
سجداتِ شکرِ خالقِ اکبر کروں ادا
ہر نازنیں چمن میں ہے مصروفِ خوشخرام   ہر شوخ کر رہا ہے تفاخر کا انصرام
ہر عارضِ جمیل میں جلووں کا ارتسام   ہے جاذبِ نگاہِ غریبانِ بے مرام
ہے جلوہ گاہِ ناز میں سجدوں کا احترام   ہے محفلِ نیاز میں سرگرمیِ سلام
ہیں طائرانِ باغ ترانوں سے شاد کام   موجِ نسیم میں بھی ترنم کا ہے نظام

پھیلا ہوا ہے چار طرف ایک لطفِ عام　　چھایا ہے بزمِ عالمِ امکاں پہ رنگِ شام

اے شام اپنا دامنِ رنگیں بچھا ذرا
سجداتِ شکرِ خالقِ اکبر کروں ادا

فرشِ زمیں پہ صرف نہیں اقتدارِ شام　　کچھ آسماں سے بھی فزوں ہے وقارِ شام
آنکھیں یہ چاہتی ہیں کہ دیکھیں بہارِ شام　　دل کو یہ اشتیاق ہے آئے نگارِ شام
کم جلوۂ سحر سے نہیں افتخارِ شام　　دنیا کے ذرہ ذرہ کو ہے انتظارِ شام
ایفائے عہد پر ہے بڑا اختیارِ شام　　ہر چشمِ انتظار کو ہے اعتبارِ شام
ذراتِ کائنات کے سب ہیں نثارِ شام　　کیا دلفریب ہے اثرِ جلوہ زارِ شام

اے شام اپنا دامنِ رنگیں بچھا ذرا
سجداتِ شکرِ خالقِ اکبر کروں ادا

شب

چین ہے اے رات تو میرے لئے   تیرے دامن میں ہیں گوہر راز کے
تجھ کو کیا نسبت بھلا ظلمات سے   تجھ سے خاموشی کے ملتے ہیں مزے
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

تیری آنکھوں میں ہے کیفِ منتظر   تیری چتون میں ہے رمز معتبر
تیرے پہلو میں ہے فردا کی خبر   سچ تو یہ ہے تو ہے اک نادر گہر
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

ہے حقیقت میں عجب ہستی تری   تو بتا دیتی ہے راہِ بندگی
درد کی کرتی ہے تو چارہ گری   عابدوں کی تجھ سے ہے وابستگی
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

عیب پوشی ہے تجھے مدنظر   تو ہے بے شک پردہ دارِ ہر بشر
غیب کی کنجی شہادت کی خبر   ہر دعا میں ہے ترے دم سے اثر
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

تجھ میں پوشیدہ ہزاروں راز ہیں   تیرے وارفتہ بُتِ طناز ہیں
عشق بازوں کے بھی تجھ سے ساز ہیں   منتظر سب گوشش بر آواز ہیں
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

تجھ کو پا جائیں تو کیسا اضطراب تیرے طالب ہیں سبھی مستِ شباب
تیرے سایہ میں ہے خلقت محوِ خواب تجھ سے وابستہ ہے ہر اک شیخ و شاب
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

اہلِ دنیا کی ہے دنیا ہی جدا تجھ کو کہتے ہیں عبث کالی بلا
مجھ سے پوچھے کوئی تیرا ماجرا تجھ سے ملتا ہے حقیقت کا پتا
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

حاملِ الہام ہے تیرا وجود باعثِ آرام ہے تیرا وجود
شارحِ افہام ہے تیرا وجود قاطعِ آلام ہے تیرا وجود
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

تو ہے وہ جس کی ضرورت ہے مجھے تو نہ ہو تو ساری دنیا مر مٹے
دائمی یہ دورِ گردش کے ترے ہیں قیامِ نظمِ عالم کے لئے
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

تجھ میں پوشیدہ ہیں رازِ باطنی تجھ میں مخفی ہیں رموزِ عاشقی
تیرے پردے میں ہے اک بے پردگی تیری تاریکی ہے اصلِ روشنی
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

تو حقیقت میں ہے اک تابندگی ہے سراپا میں ترے رخشندگی
تجھ سے دنیا کو ملی پایندگی تو ہے اک عالم کی وجہِ زندگی
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

نیند

چھپا دن شبِ تیرہ و تار آئی   مگر ایک دوشیزہ بھی ساتھ لائی
مجھے دیکھ کر پہلے وہ مسکرائی   مرے پاس آکر بہت کھلکھلائی
کہا مینے یہ کون ہے ساتھ تیرے
کہ انداز جس کے ہیں سب سے نرالے
کہا اُس نے یہ ہے پرستاں کی ملکہ   بہت ہی معزز ہے عالی ہے رتبہ
ہے از شرق تا غرب اس کا ہی شہرہ   زمانہ میں چلتا ہے اس کا ہی سکّہ
ہے آرامِ جاں اس کا اسمِ گرامی
کہ حاصل ہے اس سے سرورِ دوامی
یکایک ہوا نیند کا مجھ پہ غلبہ   میں آرام کرنے مسہری پہ لیٹا
پلک سے پلک مل گئی بے محابا   میں ایسا بھی سویا کہ گویا ہوں مردہ
خبر تک رہی کچھ نہ جہاں کی اپنے
نہ جانے اُڑھایا مجھے شال کس نے
مری روح نے جب مجھے سوتے دیکھا   تو دوشیزہ سے اُس نے سب حال پوچھا
کہاں سے تو آئی ترا نام ہے کیا   کہا اُس نے میں ہوں پرستاں کی ملکہ

شبِ تار کے ساتھ میں آگئی ہوں،
میں آرامِ جاں ہوں میں خوابیدگی ہوں

زمانہ کو ملتا ہے آرام مجھ سے　　سُلاتی ہوں ہر ایک کو میں تھپک کے
دکھاتی ہوں دلکش مناظر کے جلوے　　سناتی ہوں سب کو گذشتہ فسانے

شبِ تار سے ہے شناسائی میری
میں جادو کی پُتلی ہوں جادو کی پُتلی

ملی روح کو اُس میں جب خوشی ادائی　　تو دونوں نے مل کر خوشی سی منائی
رگِ جاں نے بربط کی اک گت بجائی　　نفَس کے ربابوں نے بھی لے سُنائی

غرض سَیر کی دل میں دونوں نے ٹھانی
روانہ ہوئیں خاک عالَم کی چھانی

گلستاں بھی دیکھے بیاباں بھی دیکھے　　مکاناتِ آباد و ویراں بھی دیکھے
سمندر کے بے تاب طوفاں بھی دیکھے　　خرابات بھی اور زنداں بھی دیکھے

گئیں دَیر میں بھی حَرَم کو بھی دیکھا
جہنم بھی دیکھا اِرَم کو بھی دیکھا

یوں ہی گشت میں رات ساری گذاری　　قریب سَحَر ایک آواز آئی
خبرِ صبح ہونے کی اک مرغ نے دی　　شبِ تار نے اپنی چادر سمیٹی

مری روح پھر آئی میرے بدن میں
شبِ تار و دوشیزہ لوٹیں وطن میں
میں خوابِ گراں سے اذاں سن کے چونکا   ہوا ہوگیا آنا آرامِ جاں کا
اٹھا اپنے بستر سے گلشن میں پہنچا   جوانانِ بستاں کو مخمور دیکھا
گئی شب ہوا روزِ روشن کا شہرہ
ابھی رات تھی ہے ابھی دن کا دورہ
یہ سب کچھ ہے اِک قدرتِ حق کا جلوا   کبھی رات دیکھی کبھی دن کو دیکھا
تغیّر تبدّل ہے احوالِ دنیا   خدا جانے عالم کی تنظیم ہے کیا
ازل سے ابھی تک یہی ہو رہا ہے
سمجھ لو جو چشمِ حقیقت نما ہے

سَحَر

اے سَحَر تو ہے کلیدِ مدعا
اے سَحَر تو ہے نویدِ مدعا
اے سحر تو ہے امیدِ مدعا
دیکھ! ہر دیدہ ہے تیرا منتظر

توحقیقت میں ہے روحِ زندگی
ہے تلاطم آشنا ہستی تری
بحرِ موج افزا میں تجھ سے کھلبلی
دیکھ! ہر قطرہ ہے تیرا منتظر

تو عروجِ روزِ روشن کا سبب
تو ہجومِ صحنِ گلشن کا سبب
تو نمودِ رنگِ سوسن کا سبب
دیکھ! ہر پتّہ ہے تیرا منتظر

تو حیاتِ جاودانی کی خبر
تو نشاطِ کامرانی کی خبر
تو فروغِ آسمانی کی خبر
دیکھ! ہر ذرّہ ہے تیرا منتظر

رونقِ دَیر و حرم ہے تیری ذات
باعثِ کیفِ اتم ہے تیری ذات
حاملِ ناز و نعم ہے تیری ذات
دیکھ! ہر بندہ ہے تیرا منتظر

تو ہے تزئینِ جہانِ سوز و ساز
تجھ سے وابستہ ہیں سب راز و نیاز
تیرا دامن ہے تجلّی گاہِ ناز
دیکھ! ہر سجدہ ہے تیرا منتظر

طلوعِ آفتاب

بعد از نمازِ صبح گئے ہم سوئے چمن
دیکھا ہر ایک پھول ہے گلشن میں خندہ زن
فرشِ چمن پہ بادِ صبا محوِ کار تھی
جاروب کش بنی تھی خس و خارِ باغ کی
ہر سمت چھا یا تھا چمن میں طیور کا
ہر ذرّہ آب و تاب میں چشمہ تھا نور کا
ہر برگ باغ باغ تھا ہر پھول شاد کام
اشجار جھومتے تھے مسرت کا پی کے جام
گلہائے شوخ رنگ تھے مصروفِ میکشی
مستی سے جھومتی تھی چمن کی کلی کلی
اتنے میں آفتاب بھی گردوں پہ آگیا
اک عالمِ شباب گلستاں پہ چھا گیا

نمودِ روزِ روشن

نشیمن سے چڑیاں اُڑی آرہی ہیں — گلستاں کی کلیاں کھلی جا رہی ہیں
پرستاں کی پریاں بھی کچھ گا رہی ہیں — ہوائیں تبسّم کی لہرا رہی ہیں

وہ نقشہ ہی سب ظلمتِ شب کا بگڑا
جو مشرق سے اک شعلۂ نور چمکا

کیا جس نے زرتاب سارے جہاں کو — کیا جس نے پُرنور کون و مکاں کو
ترو تازگی جس نے دی گلستاں کو — کیا جس نے بیدار خوابِ گراں کو

سُنہری شعاعیں جو ہر سمت پھیلیں
ضیا بار ہوکر وہ دنیا پہ چھائیں

چٹانیں پہاڑوں کی زرّیں بنی ہیں — زمینیں جہاں کی چمکنے لگی ہیں
درختوں کے پتوں سے کرنیں لڑی ہیں — فضائیں اُجالے کو پھیلا رہی ہیں

طلائی شعاعوں کا دریا چڑھا ہے
کہ بحرِ ضیا میں تموّج ہوا ہے

فلک کے نگینوں کو پریوں نے لوٹا — نظر سے کوئی ان کی تارہ نہ چھوٹا
ہوا شادماں دہر کا بوٹا بوٹا — بلندی سے اک چشمۂ نور پھوٹا

کیا جس نے سیراب ارض و سما کو
مجلّا کیا جس نے ساری فضا کو

فرشتے اُجالے کو چمکا رہے ہیں — شعاعوں میں چھپ کر چلے آ رہے ہیں
ضیا ساری دنیا میں پھیلا رہے ہیں — مسرت فزا پھول برسا رہے ہیں

گئی رات، دن کا ہوا دَور دورہ
رکھا شکرِ خالق میں رندوں نے روزہ

پہاڑوں پہ تخت آکے پریوں کے اترے — چرندے درندے بیاباں میں پھیلے
ہیں مرغانِ آبی نے پر اپنے کھولے — بطوں نے بھی دریا میں غوطے لگائے

کوئی بہرِ گلگشت گلشن میں آیا
کوئی بہرِ تفریح صحرا میں پہنچا

کسی کو ہوئی جستجوئے مناظر — کوئی کارِ دنیا میں سرگرمِ خاطر
ہوئے مولوی محوِ فتوائے کافر — جو اسرارِ شب تھے ہوئے سب وہ ظاہر

لگے اپنے اپنے مشاغل میں سارے
ہوئے اہلِ دنیا میں کاموں کے چرچے

مدارس میں تدریسِ علمی رسائل — معابد میں تنظیمِ دینی مشاغل
کہیں مطرب و ساز کی گرم محفل — کہیں کوئی وارفتۂ وحشتِ دل

ہوئی کاروانوں کو تشویشِ منزل
چلیں کشتیاں ڈھونڈھنے اپنا ساحل
کہیں طبل بجنے لگے کشت و خوں کے — اثر ہیں کہیں رُخ پہ رازِ دروں کے
کسی پر مسلط ہیں شیطاں جنوں کے — کہیں تیر چلتے ہیں سحر و فسوں کے
کہیں فتح و نصرت کے ہیں شادیانے
کہیں جاہ و عزت کے ہیں شادیانے
کہیں ہو رہا ہے مسائل کا چرچا — کہیں حق و باطل کا ہوتا ہے جھگڑا
ہے ایجاد و تحقیق میں کوئی اُلجھا — کسی کو ہے منظور تدقیقِ دُنیا
غرض ایک ہلچل کا پھیلا ہے طوفاں
اِسی میں ہیں قدرت کے اسرار پنہاں
سبق معرفت کا ہیں دنیا کے قصّے — نکلتے ہیں اس سے ہزاروں نتیجے
ذرا غور کی آنکھ سے کوئی دیکھے — ہیں فطری مناظر میں کیا کیا لطیفے
بصیرت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے
نہ ہے ظلمتِ شب، نہ صبحِ حسیں ہے

جہانِ فقر

پہنچا جہانِ فقر میں اک دن میں جانفروش — دیکھا کوئی ہے مست کسی کو نہیں ہے ہوش
بیٹھا ہوا ہے کوئی نگوں سر زباں خموش — حلقوں میں ہو رہا ہے کہیں شغلِ ہوش گوش

کوئی فنائے تام کا کرتا ہے ادعا
ہے مدعی مقامِ بقا کا کوئی گدا

سہرا کسی کے سر پہ ولایت کا ہے بندھا — کوئی ہے شیخِ وقت کوئی پیرِ پارسا
کوئی ہے مدعیٔ توکل بنا ہوا — اور کوئی ذکر و فکر میں ہے محوِ مدعا

القصّہ ہاؤ ہو کا بپا شور تھا کہیں
چنگ و رباب تھا کسی محفل میں دلنشیں

تھی بحثِ اصطلاح کہیں بحثِ فلسفہ — کوئی تراشتا تھا نیا دل سے مسئلہ
کرتا تھا کوئی صوف و تصوّف پہ تبصرہ — طے کر رہا تھا کوئی مقاموں کا مرحلہ

اِن سب امور کا تھا فقط ایک مدّعا
یعنی شکم پُری کے مصارف کا اقتضا

جس پر نگاہ کی وہ ہوا کا اسیر تھا — ٹٹّی کی آڑ میں تھا وہ جویا شکار کا
پھیلا قدم قدم پہ تھا اک دامِ پُر دغا — ہر ایک گھات میں تھا کسی کی لگا ہوا

نذر و نیاز کی تھی مدارات ہر طرف
خیرات و فاتحہ کے نظامات ہر طرف

صدقات اور زکوٰۃ کا رکھ کر فتوح نام　　تھا فاتحانِ نقد کو نقدی کا اہتمام
تھا آڑ میں کسی کو توکّل کے بس یہ کام　　زردار کوئی بھیج دے خوش ذائقہ طعام

حامل تھا ایک توند کا ہر پیر پارسا
جس میں بھری ہوئی تھی خدا جانے کیا بلا

کوئی وصول نام سے کرتا تھا عُرس کے　　کوئی نیاز کے لئے کرتا تھا چوچلے
کوئی کرامتوں کے دکھاتا تھا شعبدے　　چلّہ کسی نے کھینچا تھا تسخیر کے لئے

کوئی بنا ہوا تھا دعا گو رئیس کا
کوئی کسی غرض کے لئے گوشہ گیر تھا

تھی زندگی سہارے پہ غیروں کے سربسر　　آنکھیں لگی ہوئی تھیں مریدوں کے ہاتھ پر
دعوت کے نام سے کوئی پھرتا تھا دربدر　　لیکن خدا کی ذات پہ ہرگز نہ تھی نظر

خوگر تھے مفت خوری و خیرات کے سبھی
گرویدہ تھے زکوٰۃ کے صدقات کے سبھی

کوئی تھا جو کے واسطے امیدوارِ زر　　تھے وجہِ احتیاج کہیں دختر و پسر
سو سو طرح کے حیلے بہانے زبان پر　　روزِ جزا کا دل میں ذرا بھی نہ تھا خطر

پھیلا رہے تھے چار طرف اپنے دام کو
بدنام کر رہے تھے فقیری کے نام کو
مشہور کر رہا تھا کوئی خود کو شاہِ روم — اُستاد تھا رَمل کا کوئی واقفِ علوم
کامل کوئی فسوں میں کوئی ماہرِ نجوم — دیکھا جو بینے ڈھونگ کا ہر سمت اک ہجوم
کہتا ہوا یہ دل میں روانہ میں ہو گیا
آیا تھا ان کے حال پہ رونے تو رو گیا

قطعات

قدمائے شعروادب نے بعض وقت اپنے خیالات وجذبات کو قطعہ کی صورت میں ظاہر کیا ہے جو دو اور دو سے زیادہ شعروں کا ہوتا ہے، یہ قطعات پہلے تو غزل ہی کا جزو تھے اور اب بھی اس قدیم یادگار کو باقی رکھنے کے لئے اکثر شعرا یہی صورت اختیار کرتے ہیں لیکن بعض اہلِ سخن نے قطعات کو ایک علیحدہ صنف قرار دے کر مستقل حیثیت قائم کردی ہے چنانچہ آجکل اکثر حضرات قطعہ ہی کو پسند کرتے ہیں۔ "نغمات" میں بھی غزلوں کے ساتھ جا بجا قطعات تھے جن کو میں نے چُن کر علیحدہ جمع کرلیا، اِس چمنستان میں ہر قسم کے رنگارنگ پھول اپنے حُسن ونزہت کی دل آویزی اور دلکشی کے ساتھ چشمِ تماشا کے دامن میں بکھرے ہوئے ہیں اور اس بزمِ ادب میں شرابِ حقیقت ومعرفت کا لبریز جام گردش کر رہا ہے۔

خدا کرے کہ ذوقِ طلب کی تشنگی کے لئے یہ قطعات دودھ اور شہد کی نہریں بن جائیں اور اس چشمۂ فیض سے سخن فہموں کو تمتع وافر کے ساتھ طریقِ حیات کا صحیح

ادراک ہوکر زندگی کی حقیقی روح اور احساس و شعور میں بیداری پیدا ہو۔

پہلے میرا ارادہ تھا کہ قطعات کو علیحدہ طبع کیا جائے مگر خود حضور اقدس مدظلہٗ کے ایمائے مبارک کی بنا پر اِس مجموعۂ نظم کے ساتھ شامل کر دیا۔

ابرار حبیب

قلب نے تجھکو دلربا سمجھا — آنکھ نے اپنا مدعا سمجھا
کوئی سمجھا نہ آجتک تجھکو — عقلِ مجبور نے خدا سمجھا

عرش کا نور کبھی طور کا جلوا دیکھا — گوشہ گوشہ دلِ مشتاق کا چمکا دیکھا
یہ فقط رحم وکرم تھا یہ فقط لطف وعطا — دیکھا دیکھا ترے صدقے تجھے اپنا دیکھا

دل میں معمور ہوئے جاتے ہیں — طورہی طور ہوئے جاتے ہیں
ذرّہ ذرّہ میں تجلّی پھیلی — دیدے پُرنور ہوئے جاتے ہیں

حُسن میں شانِ کبریائی ہے — عشق میں رنگِ خودنمائی ہے
حُسن اور عشق کا ہے دل مرکز — آنکھ میں ذوقِ آشنائی ہے

دل نہیں ہے بلکہ اک مخزن ہے یہ — نور کا اک چشمۂ روشن ہے یہ
خالقِ اکبر ہے خودہی باغباں — کیا پھلا پھولا ہوا گلشن ہے یہ

روپ کس کا ہے بہارِ گُل میں — سوز کس کا ہے دلِ بلبل میں
کس نے گلشن کو کیا نزہت گاہ — کس نے پھیلائی ہے نکہت گل میں

گلِ خنداں بہ گلشن گفت از من　　چرا بر روئے من چشمت فگندہ
تبسّم کردم و دادم جوابے　　برائے آنکہ در تو حُسنِ بندہ

رہزن تھی نہ جانے رہنما تھی　　دشمن تھی نہ جانے آشنا تھی
میں آج بھی ہوں ہلاکِ حیرت　　کیا جانے نگاہِ ناز کیا تھی

قطرہ ہائے اشک ہیں تھیں بجلیاں　　آنکھ سے ظاہر ہوئیں بے تابیاں
دل تو پہلے سے ہی سینہ میں نہیں　　جان تھی، اُس نے بھی کیں قربانیاں

رنج سب دور ہوئے جاتے ہیں　　غم بھی کافور ہوئے جاتے ہیں
دیکھو دیکھو وہ قیامت آئی　　نالے اب صور ہوئے جاتے ہیں

جتنے نقشے اُمید لاتی ہے　　یاس گِن گِن کے سب مٹاتی ہے
زندگی تو خفا تھی پہلے سے　　موت بھی جان اب چُراتی ہے

حسرتیں مرکر نہ دل سے دُھل گئیں　　سب مٹانے پر ہمارے تُل گئیں
زندگی کھوئی تو پائی زندگی　　آنکھ جھپکی تھی کہ آنکھیں کُھل گئیں

عیش کیا شے ہے، بیکسی کیا ہے — رنج کیا چیز ہے خوشی کیا ہے
سب کرشمے ہیں تیری آنکھوں کے — حُسن والے! یہ دل لگی کیا ہے

آہ مرہونِ ناتوانی ہے — ہائے کیا دورِ آسمانی ہے
عُمرِ رفتہ فقط فسانہ تھا — اب تو مرنے میں زندگانی ہے

کارواں ہوگا روانہ ایک دن — موت کا ہوگا بہانہ ایک دن
زندگی، لاکھوں ہیں جس کے اہتمام — خواب ہوگا یہ فسانہ ایک دن

لے بہار آگئی ہشیار جنونِ بے باک — دشمنِ عقل و خرد رہزنِ فہم و ادراک
ہم تو جب جانیں تجھے دستِ جنوں! دستِ جنوں — اب کے ہوجائے سراپردۂ ہستی بھی چاک

پردۂ اُلفت نے کردی اور عریانی مری — مجکو خود کرنی پڑی آخر نگہبانی مری
ہائے کیوں واقف ہوا میں عشق کے اسرار سے — کس جگہ سے ڈھونڈھ کر لاؤں وہ نادانی مری

اسیرِ زلفِ بتاں پر عذاب ہی دیکھا — ہمیشہ دل میں نہاں اضطراب ہی دیکھا
بتوں کا عشق تباہی کا پیش خیمہ ہے — جسے بھی دیکھا بحالِ خراب ہی دیکھا

عشق کیسا نباہ کرنا کیا
حُسن کیا شے ہے چاہ کرنا کیا
نہیں معلوم جب کہ تم کیا ہو
رنج کس کا ہے آہ کرنا کیا

کسی لیلیٰ صفت سے ساز کیجے
فضائے عشق میں پرواز کیجے
پُرانا ہوگیا افسانۂ قیس
نئے قصّہ کا اب آغاز کیجے

طائرِ گلشنِ زمینِ حجاز!
تو نے دیکھا ہے گل میں جلوۂ ناز
نغمۂ داستانِ حسن سُنا
رند بیٹھے ہیں بہرِ سوز و گداز

جسم مسجد ہے سینہ ہے محراب
دل ہے فانوس، جان ہے مہتاب
روشنی ہیں تصوّرات اپنے
زندگی کے یہی ہیں بس اسباب

کسی کا غم مجھے ناکارہ کردے
کسی کی یاد دل صد پارہ کردے
یہی اک آرزو باقی ہے قدسی
کہ ذوقِ جستجو آوارہ کردے

گذشتہ واقعہ کیا یاد کرنا
کہاں ماضی کہاں ماضی کا چرچا
نیا ہر روز ہے افسانۂ طور
نئی ہر دم ہے جلوے کی تمنّا

نہ جانے تے ہوں یا پیمانہ ہوں میں
کوئی بدمست یا دیوانہ ہوں میں
خدا معلوم کیا ہوں کیا نہیں ہوں
مگر کہتے ہیں سب میخانہ ہوں میں

ہے وہ مجموعۂ اسرار مرا رازِ نہاں
جس کے معنے نہ ہوئے ہیں نہ کبھی ہونگے عیاں
یوں چھپی ہے مری ہستی میں حقیقت قدسی
جیسے الفاظ میں رہتے ہیں معانی پنہاں

کٹی ہیں منزلیں اپنی مزے میں
بہاریں لوٹ لی ہیں راستے میں
تصوّر کا بھلا ہو یا الٰہی
چمن بندی تھی دل کے آئینے میں

بادشاہی میکنم باعز و جاہ
تاج زردارم نہ ایوان و سپاہ
حکم بر افلاک و انجم میکنم
اللہ اللہ رفعتِ حالِ تباہ

در ملکِ من زمینِ زر و بحرِ پُر گہر
ہستم فراز شوکت و سلطانِ بحر و بر
این ست مملکت پئے درویشِ گوشہ گیر
بے ساختہ پناہِ لبِ خشک و چشمِ تر

کوئی بھی نہ اَسرارِ پسِ پردہ کو سمجھا
گو رازِ حقیقت کے تجسّس میں ہے دنیا
ہر سمت قیاسات کے دوڑادئے گھوڑے
پھر بھی نہ کوئی منزلِ مقصود کو پہنچا

کیوں کسی محتاج کو اپنا بناوں میں وکیل
ہمنوا کی جستجو ہے بے نوائی کی دلیل
بے نیازِ چاکری ہوں دور از فکرِ معاش
میرا مولائے حقیقی ہے مرا خود ہی کفیل

اک وہ کہ روز و شب ہیں گرفتارِ سکر و صحو
اک وہ کہ صبح و شام ہیں مصروفِ صرف و نحو
اک وہ کہ ہر قدم پہ ہیں پابندِ گیر و دار
اک میں کہ یادِ زلف میں ہر سانس میری محو

بہارِ حسن ناکارہ نہ کردے
نسیمِ شوق آوارہ نہ کردے
بچا دامانِ ضبط و صبر قدسی
نگاہِ ناز صد پارہ نہ کردے

باغ میں جب کلی چٹکتی ہے
پھول بن جاتی ہے مہکتی ہے
نونہالو! نقاب پوش بنو
دیکھو دیکھو بہار تکتی ہے

موسمِ گُل میں دل نہ کیوں گھبرائے
ابر پیغام مے پرستی لائے
شوق بھی ہے خیالِ توبہ بھی
کیا خبر رنگ کون سا جم جائے

شوقِ سجدہ ہے در نہیں ملتا
گھر میں ہوں اور گھر نہیں ملتا
تو کہاں ہے کہ آج میں خود کو
ڈھونڈتا ہوں مگر نہیں ملتا

گُل ہیں گلشن ہیں بُو ہیں بُستاں ہیں
نغمۂ بلبلِ خوشش الحاں ہیں
ہو بصیرت تو دیکھ شانِ حق
ذرّہ ذرّہ میں مہر تاباں ہیں

عشق میں مبتلا کبھی نہ ہوا
آدمی بن کے آدمی نہ ہوا
بندہ کہتے بھی شرم آتی ہے
کچھ ادا حقِ بندگی نہ ہوا

عجب ہی کیف ہے الفت کی مَے میں
نشہ ایسا کہاں ہے اَور شَے میں
نسیمِ صبحگاہی وجد میں ہے
غضب کا درد ہے بلبل کی لَے میں

دل ہوا وارفتہ صورت دیکھ کر
رو دیئے سب میری حالت دیکھ کر
پاؤں پھیلائے جنونِ عشق نے
دامنِ صحرا کی وسعت دیکھ کر

رنج دوزخ ہے اور خوشی جنت
پُل ہیں انفاس، زندگی، مدّت
جسم برزخ ہے سیرِ روحی کا
خاتمہ ہو بخیر تو رحمت

کیا کہوں کس لئے ہوں افسردہ
سچ تو یہ ہے کہ دل ہوا مردہ
سُن کے بربادیوں کا افسانہ
وہ بھی کچھ ہو گئے ہیں آزردہ

یہ انقلابِ زمانہ فقط کہانی ہے
جو چشمِ غور سے دیکھو تو بامعانی ہے
رہا ہے کوئی نہ کوئی رہے گا دنیا میں
نظامِ عالمِ ہستی تمام فانی ہے

آج تو سرگرئ میخانہ ہے
کل نہ ساقی ہے نہ یہ پیمانہ ہے
پی کے مَے قدسیؔ نے مصرع کہدیا
زندگی اک خواب اک افسانہ ہے

ہر شخص جانتا ہے کہ مرنا ہے لازمی
پھر بھی ہے رو براہِ قیامت سے بے رُخی
حیرت کی بات ہے کہ نہیں قبر کا خیال
سرگرمِ کارِ زیست ہے ہر وقت آدمی

جہاں والے ستم ایجاد کرلیں
تباہی سے مری دل شاد کرلیں
مگر اک بات قدسیؔ کی بھی سُن لو
نئی دنیا کہیں آباد کرلیں

لاکھ کھوٹا کھرا پرکھتے ہیں
زندگی کا مزا بھی چکھتے ہیں
دُور جن سے ہے عیشِ روحانی
کیوں امیرانہ شان رکھتے ہیں

پہلے ممنون تھے وہ شیطاں کے
اب ہیں مشکور اپنے ایماں کے
ہے غنیمت کہ ہوگئے تائب
کاش پیرو رہیں وہ پیماں کے

شیخ جی اپنا وعظ رہنے دیں — اشک آنکھوں سے میری بہنے دیں
روکیں مجکو نہ میرے نوحہ سے — حال وارفتگی کا کہنے دیں

زیردستوں کی ہے زبردستی — ہے بلندی پہ اندنوں پستی
کوہ وصحرا تو ہو گئے غرقاب — صفحۂ بحر پر ہوئی بستی

کفر سے نکلے مسلمانی ملی — ظلمتوں میں نور سامانی ملی
اے مسلماں! کچھ خبر بھی ہے تجھے — گلّہ بانی سے جہانبانی ملی

پچھلی تاریخ کا تو دَور کرو — زور پیدا دلوں میں اَور کرو
ٹھوکریں کھا رہے ہو دَر دَر کی — اپنے حالِ زبوں پہ غَور کرو

کیا سبب ہے زوال کا سوچو — اپنے انجامِ کار کو دیکھو
زندگانی تو چند روزہ ہے — کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نہ رہو

تم ہو وہ جو تھے فاتح عالم — سرکشوں کے بھی سر کئے تھے خم
کس لئے ڈر رہے ہو غیروں سے — اپنی طاقت کو کیوں سمجھتے ہو کم

طاقت سے ہے اقتدارِ ہستی
طاقت سے ہے اک وقارِ ہستی
طاقت جو نہیں تو ہے تباہی
طاقت ہی پہ ہے مدارِ ہستی

کیوں زمانہ کے حادثوں سے ڈریں
اپنے اللہ سے مدد مانگیں
ہو بھروسہ تو اپنی طاقت پر
بزدلی ہے پناہ غیر کی لیں

ارضِ بطحٰے سے آرہے ہیں پیام
ہند کے مسلمِ تباہ کے نام
فرقہ بندی کے جال کو توڑو
ورنہ ہوگا بہت بُرا انجام

کوئی راوی پرست و قبر پرست
نشۂ ملک و مال میں کوئی مست
ہے کسی کا مقام مے خانہ
قومِ مسلم غرض ہے پست سے پست

خانہ جنگی کے مولوی ہیں مرد
اور فتوائے کفر میں بھی فرد
اپنے گھر میں تو ہیں بہت ہی گرم
غیر کے سامنے مگر ہیں سرد

مدرسوں میں دغا شعاری ہے
خانقاہوں میں خام کاری ہے
قومِ مسلم! ترا خدا حافظ
ہر مصیبت کی گولہ باری ہے

رہنما جو بنے ہیں روحانی　　صوفیِ وقت و شیخ حقّانی
ان کی توحید کیا کرامت کیا　　چند قبریں ہیں جانی پہچانی

اے پرستارِ حُسنِ طاغوتی　　اے اسیرِ فریبِ ناسوتی
پردۂ موہنی میں شرک، افسوس　　تو ہے اور ایک دامِ تابوتی

دیکھیے شکل کیسی نورانی　　آپ کا اسم شاہ رمضانی
اک لنگوٹی لگی ہے اور اُس پر　　دعوئے تخت و تاجِ سلطانی

دین کے پیشوا ہیں دین فروش　　کیوں نہ ہو قوم کا چراغ خموش
اے عجب خود عمل سے مستثنےٰ　　اور دکھانے کو ایک جوش و خروش

سبقِ خود شناسی بھولے ہیں　　شرفِ ذات کھوئے بیٹھے ہیں
ٹھوکروں کے سوا نصیب نہیں　　دربدر مارے مارے پھرتے ہیں

بے حس و مردہ و بے جاں ہیں یہ　　پیکرِ انس ہیں حیواں ہیں یہ
ہے شب و روز فقط فکرِ معاش　　اِس زمانہ کے مسلماں ہیں یہ

مفت خوری کے سب ہوئے خوگر — عام افلاس چھا گیا گھر گھر
کیسی محنت کہاں کی مزدوری — بھیک کا ٹھیکرا ہے اور در در

مفلسی کیوں نہ چھائے انساں پر — کیوں نہ ہو اک عذاب ہر جاں پر
بھول بیٹھے ہیں اپنے رازق کو — اور بھیڑیں لگی ہیں دوکاں پر

مُنہ اپنا مسلمان نے قرآں سے موڑا — بندہ کا جو رشتہ تھا خدا سے اُسے توڑا
ایماں سے تعلق ہے نہ کچھ دین سے نسبت — افسوس صد افسوس کہ اسلام کو چھوڑا

مغفرت خواہ بنو جُرم کا اقرار کرو — سر کو سجدے میں رکھو عجز کا اظہار کرو
ہے یقیں ابرِ کرم تم پہ برس جائے گا — ہوش میں آؤ ذرا قلب کو بیدار کرو

ناشر
سیّد ابرار حبیب مدیر مکتبہ ناصریہ
آستانہ مبارک بھوپال

رباعیاتِ قدسی

فکر

حقائق آگاہ معارف دستگاہ حضرت مرشدِ عالم سیّد اسدُ الرحمٰن قدسی

اعلیٰ اللہ مقامہم

مطبوعہ

لطیفی برقی پریس دہلی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

مقدّمہ

(از مولوی عُبَیدُ الرّحمٰن صاحب ایم-اے، ریسرچ اسکالر لکھنؤ یونیورسٹی)

اصنافِ سخن میں سب سے زیادہ نازک اور مشکل چیز رباعی ہے، اور اسی کے ساتھ سب سے زیادہ دلکش و موثر بھی ہے۔

نازک اور مشکل تو اس لئے ہے کہ اساتذۂ عروض نے رباعی کے اوزان و بحور سب سے الگ رکھے ہیں جس سے اس کی ایک مستقل اور جداگانہ صنف ہو گئی ہے۔ یہ اوزان و بحور اس قدر نازک اور مشکل ہیں کہ خفیف سی لغزش بھی دائرہ سے باہر ہو جاتی ہے، بڑے بڑے کہنہ مشق بھی آسانی سے رباعی پر قابو نہیں پا سکتے۔ عام طور سے تو رباعی کا موزوں کرنا کجا صحیح طور سے پڑھنا بھی سہل نہیں ہے۔

دلکش و موثر اس لئے ہے کہ چار مصرعوں میں ایک مکمل موضوع نظم ہو جاتا ہے اور چونکہ رباعی کی صنف کچھ ایسی ہے کہ اس میں رطب و یابس مضامین اور بے ربط خیالات سما ہی نہیں سکتے اس لئے بھی مقابلۃً دیگر اصنافِ سخن سے زیادہ شیریں، مفید، اور معنے خیز ہے۔

حکیم رودکی تو رباعی کا موجد ہی تھا مگر قاآنی، ظہیر فاریابی، خواجہ حافظ، سرمد، خواجہ کرمانی، جامی، عطار، اور شیخ سعدی نے بھی اس نازک صنف کو ہمیشہ حقائق و معارف اور واردات و معاملات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔

شیخ ابو سعید اور عمر خیام کی رباعیاں بہت مشہور ہیں، ابو سعیدؒ کی رباعیاں صوفیانہ رنگ میں ہیں اور عمر خیام کی رباعیاں فلسفیانہ۔

اردو میں اکبر و حالی رباعی کی طرف میلان رکھتے تھے چنانچہ رباعیاتِ اکبر اور رباعیاتِ حالی شعر و ادب کی جان ہیں۔

ہمارے مخدوم حضرت مرشدنا سیّد اسد الرحمٰن قدسی مدظلہٗ العالی نے بھی اپنے وارداتِ قلبی کے اظہار کے لئے رباعی کو پسند فرمایا ہے، حضرت مخدوم مدظلہم کی رباعیاں نہ تو صوفیانہ رنگ میں ہیں اور نہ فلسفیانہ، بلکہ حکیمانہ و عارفانہ رنگ ہے، حقیقت

و معرفت کے اَسرار کچھ ایسے موثر پیرائے میں بیان فرمائے ہیں جو دل میں اُتر کر قلب و روح کو مسخر کرتے ہیں، زبان کی سلاست و شگفتگی کو دیکھ کر بے ساختہ سُبحان اللہ زبان پر آجاتا ہے، بیان کی سادگی اور طرزِ ادا کی دلچسپی محوِ حیرت کر دیتی ہے بعض رباعیاں تو بار بار پڑھ کر بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی، جس طرح روحانی معاملات و حالات کے لئے ذاتِ گرامی ایک سرمایۂ تسکین و طمانیت ہے اسی طرح حضرت مدظلہٗ کی خوش فکریاں اور شیریں نوائیاں ادبی خزانہ کو مالا مال کئے ہوئے ہیں، طبیعت کی جودت اور ذہانت کی تیزی حضرت اقدس کا خداداد حصّہ ہے۔

یہ رباعیاں بے شبہ درسِ معرفت و حقیقت ہیں، گم کردہ راہوں کے لئے خضرِ طریقت اور تلاشِ حق کے مسافروں کے لئے منزلِ مقصود ہیں۔

نادر تشبیہات اور پاکیزہ استعارات میں حُسن و عشق کی داستان، محبت کی زبان سے بیان فرما کر روح میں تڑپ پیدا کر دی ہے، یہ رباعیاں ایک والہانہ کیفیت کی حامل ہیں، حضرت اقدس مدظلہ کی معرفت سرائی کسی زاہد خشک کا وعظ نہیں بلکہ ایک سرمستِ خُم خانۂ حقیقت کی وہ کیف افزا صلائے عام ہے جس سے دل بے اختیار ہو جاتا ہے۔

زہے سعادت کہ مجھ ہیچ میرز کو یہ چند سطریں لکھنے کا شرف نصیب ہوا، امید ہے

اہلِ درد اصحاب اس سرچشمۂ فیض سے تمتع وافر حاصل کرکے اپنے ذوق کی تشنگی کو سیراب کریں گے۔

اللہ ربّ العزّت حضرت مخدوم مدظلہم کی ذاتِ گرامی کو صحت وسلامتی کے ساتھ قائم رکھے۔

حلقہ بگوشں خادم

عُبَید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کس منہ سے بیاں ہو وصفِ شانِ معبود
ممکن نہیں، ہو سکے تجلّی محدود
کیا جلوۂ حق ہے آشکارا قدسی
جس سمت نظر اٹھائے دیکھو موجود

(۱)

وہ رحمتِ ذوالجلال پائی ہم نے
جس کی نہ کہیں مثال پائی ہم نے
کیوں ناز نہ ہو اپنے مقدر پہ ہمیں
کیا دولتِ لازوال پائی ہم نے

(۲)

(۳)

سرکارِ دو عالم ہیں خلائق کے امام
پروازِ ملائک سے بھی اونچا ہے مقام
یہ شان یہ رتبہ کس نے پایا قدسی
پہنچا دیا مخلوق کو خالق کا پیام

(۴)

عالم ترا مدح خواں ہے اللہ غنی
گھر گھر یہی داستاں ہے اللہ غنی
قدسی کو نوازا ہے نوازش نے تری
کیا رحمتِ بیکراں ہے اللہ غنی

(۵)

سرکارِ دو عالم ہیں کہ مہرِ تاباں
اصحاب ستاروں کی طرح سے رخشاں
ازواجِ مطہرات ماں مسلم کی
اور آلِ نبی سے ہے منور ایماں

(۶)

ذی رتبہ نہ سربلند بن کر آئے
جو آئے وہ مستمند بن کر آئے
دربارِ مدینہ ہے مقاصد کی طلب
اس در پہ تو دردمند بن کر آئے

(۷)

انوارِ الٰہی کی تجلّی دیکھو
افلاک پہ تاروں کا نکھرنا دیکھو
محفل میں فرشتوں کی بھی پہنچو قدسی
اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھو

(※)

روحانی مقاموں کو نہ پایا تو نے
اس مادی عالم ہی کو دیکھا تو نے
مانا کہ خدائی کا خلاصہ ہے تو
خود اپنی حقیقت کو نہ سمجھا تو نے

(۸)

(۹)

یہ لغزشیں گفتگوئے مستانۂ عشق
یہ شورشیں ہاؤ ہوئے دیوانۂ عشق
مثلِ آئینہ دل ہے محوِ حیرت
یہ تابشیں جلوہ، سوئے ویرانۂ عشق

(※)

پُر کن ز شرابِ عشق پیمانۂ دل
از حسن بخواہ زیبِ ویرانۂ دل
وز مکر و فریبِ نفس و شیطاں بگذر
تا پاک شود ز تیرگی خانۂ دل

(۱۰)

(۱۱)

در میکده چندان که فروغ است تجلی
آزرده شود او که نه بیند و سبو
هرگز نه رسد بدست جامے و سبو
تا دست کسے بدست گیرد نه کسے

(٭)

ہاں عشق کو سینے سے لگالے قدسی
دل نور سے معمور بنالے قدسی
ہر سانس میں آواز ہو اللہ اللہ
خوشبو یہی رگ رگ میں بسالے قدسی

(۱۲)

(۱۳)

دل میں جو ذرا گداز پیدا کر لوں
ذوقِ ہوسِ نماز پیدا کر لوں
خود میری جبیں ہو سجدہ گاہِ عالم
اے کاش سرِ نیاز پیدا کر لوں

(٭)

کرنا ہے تو اپنی آنکھ بینا کر لو
توبہ کر لو گنہ سے توبہ کر لو
ہو جائیں گی مشکلیں کسی دن آساں
اپنے اللہ پہ بھروسہ کر لو

(۱۴)

(۱۵)

میرے اللہ نے ہی غفاری کی
سچ تو یہ ہے کہ ناز برداری کی
خالق سے سوا کسے بناؤں معبود
امید رکھیں نہ بُت پرستاری کی

۰۰۰(*)۰۰۰

اے شمعِ تجلی ترا پروانہ ہوں
تو حُسن ہے اور میں ترا دیوانہ ہوں
بن جاؤں نہ کیوں شعلہ میں خود ہی قدسی
خورشید کی تابش سے تو بیگانہ ہوں

(۱۶)

(۱۷)

من بندہ یک حُسنِ حقیقی ہستم
دور از ہمہ آفاتِ مجازی ہستم
محبوب بہ دل جلوہ طراز است مدام
از وسوسۂ رقیب خالی ہستم

۰۰۰(*)۰۰۰

ہر چند کہ از آلِ محمد ہستم
وز علم و کمال و فضل ہم زبردستم
با ایں ہمہ افتخار با فخرے نیست
نازم ز شرابِ عشقِ او سرمستم

(۱۸)

(۱۹)

اے از ہمہ بیزار و آشنا از دل
اے باخبرے ز کاروان و منزل
از بانگِ جرس ترا چہ کارے و چہ سود
رو رو کہ بدستِ تست حلِّ مشکل

۰۰(*)۰۰

(۲۰)

صد رونقِ بزمِ شادمانی تو ہے
تسنیم کی کیف زا روانی تو ہے
ہر برگ و گلِ تر ہے تجھی سے رنگیں
ہاں گلشنِ قدرت کی جوانی تو ہے

(۲۱)

دل جس کا نہیں کوئی وہ مشکل ہوں میں
مضمونِ انا العبد کا حامل ہوں میں
ہر چیز مرے سامنے آئینہ ہے
اپنی ہی تجلّی کے مقابل ہوں میں

۰۰(*)۰۰

(۲۲)

دل دادہ و دلفگار ہا ہم ہیں ہا ہم ہیں
باسینۂ داغدار ہا ہم ہیں ہا ہم ہیں
ہم رونقِ کوہ و دشت ہم زیبِ چمن
رنگینیِ صد بہار ہا ہم ہیں ہا ہم ہیں

(۲۳)

داغِ غمِ عشق اینچنیں ماہے دارم
تاریکیِ شب چو صبحگاہے دارم
با بے ہمہ آفاق و بے ہمہ چیزے
درویشم و دل چو پادشاہے دارم

(٭)

من گاہ بہ ہوش و گہ بہ مستی ہستم
من گاہ بر اوج و گہ بہ پستی ہستم
در برتری و ابتریِ من رازیست
مائل بہ خدا ز خودپرستی ہستم

(۲۴)

(۲۵)

اس درجہ تجلّی نے نوازا ہے مجھکو
ہر چیز دکھاتی ہے تماشا مجھکو
ذرّہ سے نمودار ہے دنیائے طلسم
قطرہ میں نظر آتا ہے دریا مجھکو

(٭)

ہر جام میں ہے سُرور کس کا قدسی
ہر پھول میں ہے ظہور کس کا قدسی
ہر شمع میں کہاں سے آگئی تابانی
ہر ذرّہ میں ہے یہ نور کس کا قدسی

(۲۶)

(۲۷)

جب سے اُسے بے نقاب دیکھا ہے
حائل نہ کوئی حجاب دیکھا ہے
قدسی یہ بصیرت کی فراوانی ہے
ہر ذرہ میں آفتاب دیکھا ہے

ہر جلوہ ہے بے نقاب سبحان اللہ
آنکھوں سے اٹھا حجاب ماشاء اللہ
دل میں مرے شمعِ طور ضو گستر ہے
ہر ذرہ ہے آفتاب اللہ اللہ

(۲۸)

(۲۹)

ای موجِ نسیم صبح بوے ازست
ای رنگِ بہار محوِ روے ازست
در دیدۂ مردمانِ اہلِ بینش
ہر شے کہ زخود گذشت سوے ازست

گو سرمہ بہ خواب صد تماشا دیدم
رنگِ چمن و بہارِ گلہا دیدم
لیکن بہ دلِ آئینہ ساماں قدسی
ہر آنکہ نہ دیدہ بود پیدا دیدم

(۳۰)

(۳۱)

موجود و وجود را نہ دانند ہمہ
امکان و وجوب را نہ فہمند ہمہ
اطلاق و تقیدات را کے دانند
تا آنکہ بہ ذات خود نہ بینند ہمہ

(۳۲)

ہر رنگ ہے ایک جلوہ میرا قدسیؔ
خوشبو ہے ہر اک پسینہ میرا قدسیؔ
میں پرتو حسن ذات بے پرواہ ہوں
دنیا ہے حسین چہرہ میرا قدسیؔ

(۳۳)

ہر برگ گل تر میں تماشا دیکھا
ہر قطرۂ شبنم میں بھی جلوا دیکھا
ہر چیز پہ غور سے نگاہیں ڈالیں
ہر ذرّہ میں اک نور جھلکتا دیکھا

(۳۴)

آنم کہ تمام دہر را می بینم
لیکن نہ شناسم کہ کجا می بینم
اے روشنی چشم حقیقت آخر بیں
چیزے کہ نہ دیدہ ام چرا می بینم

(۳۵)

گذرے ہیں بہت حکیم و دانا اب تک
لیکن نہ سمجھ میں راز آیا اب تک
ادراک کی کیا مجال پہنچے سر عرش
اپنا ہی نہ بھید جب کہ پایا اب تک

۔۔(*)۔۔

اے کاش تمہاری بزم تک پہنچوں میں
سجدہ کروں نقش پا جو پا جاؤں میں
دل میں آتے ہو آنکھ میں بھی آجاؤ
کافر ہوں جو غیر کو کبھی دیکھوں میں

(۳۶)

(۳۷)

ہر چند کہ اندیشہ فردا کردم
صدگونہ نظر جمال آرا کردم
جز سوختگی نیافت پروانۂ دل
رقص بجوالی شررہا کردم

۔۔(*)۔۔

ہرگز نہ تمناؤں سے بیگانہ بنے
چاہوں تو یہ دل رشک پری خانہ بنے
اس کعبہ کا سنسان ہی رہنا اچھا
آباد یہ ہو جائے تو بت خانہ بنے

(۳۸)

(۳۹)

اے حسن سراپا ترا دیوانہ ہوں
تو شمع ہے اور میں ترا پروانہ ہوں
جل جائے نہ کیوں اپنے ہی شعلوں سے دل
میں عشقِ حقیقی کا طپش خانہ ہوں

٭

(۴۰)

ہر جلوہ تھا اک حسین جلوا مجھکو
ہر شکل تھی مشکلِ لیلیٰ مجھکو
میں سامنے دنیا کے رہا ہوں قدسی
دنیا کی نگاہوں نے نہ دیکھا مجھکو

(۴۱)

گذرا ہوں مہ و مہر کی دنیاؤں سے
بندوں سے ملا کبھی نہ آقاؤں سے
چھایا ہوں ہر اک فضا میں قدسی لیکن
سایہ کی طرح چلا نہیں پاؤں سے

٭

(۴۲)

خوشبو سے مری مہک اٹھے لاکھ جہاں
ہیں پھر بھی حقیقتیں حقیقت میں نہاں
نسبت ہے تو پوچھیے حنا سے مجھکو
ظاہر ہے نہیں ہے رنگِ باطن عریاں

(۴۳)

سروے ہستم کہ تمکینش بارے نیست
آنم کہ مرا بہ دہر غمخوارے نیست
ایں مسند فقر جلوہ افروز ز من
با دولت و مال و زر سر و کارے نیست

۲۱(✻)۲۱

(۴۴)

ہرچند ز نان و آب بے غم ہستم
وز رنجِ بتانِ شوخ ہم بے و ہستم
با ایں ہمہ بے تعلقی نازے نیست
نازم سرکہ بہ ذکر و فکر حق سرمستم

(۴۵)

ہرچند کہ حرفہا نوشتند ہمہ
حقا کہ معانیش نفہمند ہمہ
ذوقے کہ نہفتہ بود در خاطر ما
افسانۂ من ازاں شنیدند ہمہ

۲۱(✻)۲۱

(۴۶)

خوشتر ہے تو حسن کا فسانہ، سن لو
دلکش ہے تو عشق کا ترانہ، سن لو
بس زیست کا لطف ہے تو یہ ہے، ورنہ
خود زیست ہے موت کا بہانہ، سن لو

(۴۷)

وقفِ نگہِ ناز ترا کیا کہنا
صرفِ غمِ غمّاز ترا کیا کہنا
ہیں حسن کے انداز نمایاں تجھ میں
اے عشقِ فسوں ساز ترا کیا کہنا

۔۔۔(٭)۔۔۔

(۴۸)

دریا میں کہیں ہے نہ وہ کہسار میں ہے
صحرا میں کہیں ہے نہ وہ گلزار میں ہے
سر جان کا سودا جو خریدار ہے تو
یوسف ہے تو بس عشق کے بازار میں ہے

(۴۹)

ہر ذرہ بہ وسعتِ بیابانے ہست
ہر تخم بہ لطافتِ گلستانے ہست
اے عشق عجب شعبدہ کاری واللہ
ہر قطرہ بہ جوشِ گریہ طوفانے ہست

۔۔۔(٭)۔۔۔

(۵۰)

اے حسنِ فسوں طراز بس کر بس کر
اے عشقِ جنوں نواز بس کر بس کر
دل تھا وہ شکار ہو چکا پہلے ہی
اے چشمِ نشانہ باز بس کر بس کر

(۵۱)

عشاق کو سب خاک بسر دیکھتے ہیں
با حالِ تباہ و چشمِ تر دیکھتے ہیں
لیکن کوئی ان کا حال ہم سے پوچھے
جلوے نظر آتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں

---

(۵۲)

یہ سچ ہے کہ باغِ حسن لاثانی ہے
لیکن چمنِ عشق بھی سب فانی ہے
کہتے ہیں اسی کو دل، وہی دل، دل ہے
جس دل میں محبت کی فراوانی ہے

(۵۳)

یہ ذوق نیا یہ سازوساماں ہے نیا
یہ رنگ انوکھا ہے یہ ارماں ہے نیا
عشاق کے دل اور اُن میں داغِ غمِ عشق
یہ پھول نئے یہ چمنستاں ہے نیا

---

(۵۴)

جو درد ہے دل میں وہ چمکنے والا
چھالا ہے جو دل میں وہ ٹپکنے والا
مسرور ہوں پھر بھی ہر طرح میں قدسی
اک دن ہے گلِ عشق مہکنے والا

(۵۵)

جب دل میں بڑھیگا درد درماں ہوگا
سرمایۂ غم متاعِ ایماں ہوگا
صورت مری بن جائیگی اُن کی تصویر
یوں عشقِ حسین تر نمایاں ہوگا

(۵۶)

دنیا کا نہ مرتبہ نہ دولت اچھی
اچھی ہے اگر تو بس محبت اچھی
ہوں عشق کا دیوانہ، بہت اچھا ہوں
میری تو یہی خراب حالت اچھی

(۵۷)

کیونکر کہوں، عز و جاہ والے اچھے
کیونکر کہوں، کج کلاہ والے اچھے
ہے دولت و مال بادشاہوں میں، تو ہو
اُن سے تو دلِ تباہ والے اچھے

(۵۸)

جو سوزِ محبت سے جلے، دل ہے وہی
جس میں ہو بیانِ حسن، محفل ہے وہی
یہ قول ہمارا یاد رکھنا، قدسی
جو عشق میں دیوانہ ہو، عاقل ہے وہی

(۵۹)

کچھ لوگ اسے شراب سمجھ بیٹھے

کچھ لوگ اسے عذاب سمجھ بیٹھے

سمجھا کرے جس کی جو سمجھ میں آئے

ہم عشق کو آفتاب سمجھ بیٹھے

(۶۰)

قلبِ آگاہ شاد و کم محزون است

تشویش مکن کہ حالِ دنیا چون است

پیش آنکہ فنا شوی فنا شو در عشق

امراضِ حیات را ہمین معجون است

(۶۱)

در عشق ہزار بار گرانی دیدیم

ناکامیِ دل بہ کامرانی دیدیم

آشفتہ از وصل و فراق خوشتر

صد گونہ الم بہ شادمانی دیدیم

(۶۲)

ممکن ہے کہ خار زار گلزار بنے

ممکن ہے کہ بے ثمر ثمردار بنے

آسان نہیں راہِ عشق طے کر لینا

جب تک نہ محبت میں دل افگار بنے

(۶۳)

بے تابیِ دل کی پائمالی کر دے
یعنی غم و اندوہ سے خالی کر دے
دکھلا کے نظر نواز جلوے اپنے
اے حسن! دماغِ عشق عالی کر دے

آ، دل کو مرے وقفِ محبت کر دے
ہر رنج کو میرے حق میں راحت کر دے
افکارِ دو عالم سے مجھے دے کے نجات
دوزخ کو مرے واسطے جنت کر دے

(۶۴)

(۶۵)

پردے سے اُنھیں سامنے لاؤں گا میں
برقع رُخِ روشن سے اُٹھاؤں گا میں
مشتاق ہوں مشتاق بھی کامل مشتاق
پھر شمعِ سرِ طور جلاؤں گا میں

گو سوزِ محبت نے بہت کچھ پھونکا
حتیٰ کہ سراپا کو جلا بھی ڈالا
جنت تو ملی ہم کو مگر دوزخ میں
تھا قلب میں پوشیدہ تصور اُس کا

(۶۶)

(۶۷)

جو دل کہ محبت کا وطن بن جائے
زیبائشِ حُسن سے دُلہن بن جائے
عشاق کے داغہائے غم کیا کہنا
کھل جائیں جہاں پہ گُل چمن بن جائے

(۶۸)

جب عشق نہیں ہے تو ہوش کھونا کیسا
جب درد نہیں ہے تو دل سے رونا کیسا
وحشت ہی نہیں ہے تو کوہ و صحرا کیسے
دامن ہی نہیں ہے تو چاک ہونا کیسا

(۶۹)

اُمید کرم میں ہاتھ اُٹھانا کیسا
ہر گام پہ پاؤں ڈگمگانا کیسا
یہ نالہ یہ آہ یہ فغاں کیا معنی
راہِ الفت میں لڑکھڑانا کیسا

(۷۰)

بے بادہ جو حاصل ہو وہ مستی کیسی
بے رُوح نظر آئے وہ ہستی کیسی
وحشت میں خیالِ راہ و منزل کس کا
اے عقلِ غلط کوش! یہ پستی کیسی

(۷۱)

توقیر بڑھی ہے کیسی کیسی گِل کی
تعمیر بنی بنائے عنصر دل کی
کہتے ہیں اسے ہمّتِ مردانۂ عشق
منزل ہی پہ لے گئی طلب منزل کی

—— (*) ——

مطلوب ہے ذوقِ بے نیازی کے لئے
طالب ،، شوقِ وفا طرازی کے لئے
قدسی غمِ عشق ہے مقامِ رفعت
اور عقل ہے شانِ امتیازی کے لئے

(۷۲)

(۷۳)

طالب ، دنیا میں ہے منانے کے لئے
دنیا ، طالب سے رُوٹھ جانے کے لئے
ہیں زیست سے اب تو ہاتھ اُٹھا کر فارغ
بیٹھا ہوں اجل کو آزمانے کے لئے

—— (*) ——

آ ، اے اجل آ ، کون اب اس طرح جیے
دل خوں ہو مگر آنکھ سے آنسو نہ بہے
مجبوریِ جذباتِ محبت ، ہے ہے
رونے کے لئے ہوں نہیں ہنسنے کیلئے

(۷۴)

(۷۵)

کہتا ہوں زباں سے کچھ تو ڈرتے ڈرتے
مضبوط ہوا ہوں ضبط کرتے کرتے
آئینۂ عبرت ہے مرا دم قدسی
دل مار کے بچ گیا ہوں مرتے مرتے

(*)

(۷۶)

دل میں مرے پیچ و تاب آیا نہ گیا
جھگڑے کا کچھ حساب آیا نہ گیا
اس شان سے پہنچے عمر کو قدسی
گویا کہ کبھی شباب آیا نہ گیا

(۷۷)

مطلب کی صدا پہ ہمہ تن گوش رہے
گویائی کے مضمون پہ خاموش رہے
دیکھا تو نہ دیکھنے کا منظر قدسی
ہم ہوش میں آئے بھی تو مدہوش رہے

(*)

(۷۸)

راتیں گذری ہیں آہ کرتے کرتے
اک عمر ہوئی نباہ کرتے کرتے
افسوس انھوں نے قدردانی ہی نہ کی
دل ٹوٹ گیا ہے چاہ کرتے کرتے

(۷۹)

برباد تمنّائیں تمام آہیں میری
گُھل گُھل کے ہوئی ہیں بند راہیں میری
وہ آٹھ پہر سامنے آنکھوں کے رہے
پھر بھی نہ ہوئیں سیر نگاہیں میری

---

(۸۰)

پینے نہ دیا نالۂ شب نے بھی
خاموش رہا ہار کے بلا بھی جھیلی
آخر اسی حال میں دم توڑ دیا
لیکن نہ کبھی زباں پہ اُف تک آئی

(۸۱)

ہے صرف یہ قسمت کی سیاہی میری
ہاں ہاں یہ نہیں ہے کم نگاہی میری
سو پیار سے لاکھ بار دیکھا تم نے
کام اپنا کیے گئی تباہی میری

---

(۸۲)

بے چین رہے فراق کی راتوں میں
پائیں نہ فراغتیں ملاقاتوں میں
اور زیست کے دن گزر گئے یوں قدسیؔ
جیسے شبِ وصل کٹ گئی باتوں میں

(٨٣)

دم بھر کی خوشی سے آہ بھرنا بہتر
ہر لحظہ خدا سے اپنے ڈرنا بہتر
بیکار ہے زندگی تمہاری قدسی
جینے سے ہزار درجہ مرنا بہتر

(٨٤)

از زیست بہ مرگ آرمیدن اولیٰ
از وادیِ پُر قضا رمیدن اولیٰ
در دیدۂ ظاہری چہ آید قدسی
از دیدنِ یک دمے نہ دیدن اولیٰ

(٨٥)

بینی کہ بہ فکرِ روزگار اند ہمہ
با خواہشِ نفس پر شعار اند ہمہ
پردہ ز جبینِ کار چون بردارند
معلوم نبود کہ در چہ کار اند ہمہ

(٨٦)

نازند شہان بہ تاج و تخت و کلاہ
مغرور شدہ بہ سایۂ فوج و سپاہ
اِلّا چیزے نیافتند از دنیا
جز گور کہ ہست بہرِ شان جائے پناہ

(۸۷)

عبرت کا مقام ہے جہانِ محسوس
ہوتا ہے خموش صبحدم ہر فانوس
رہتا نہیں اس جہانِ فانی میں کوئی
افسانہ ہے آج قصۂ دقیانوس

٭

ہوں کان تو سُن یہ اک کہانی فانی
ہے شمع تیرہ جہانِ فانی فانی
آنکھیں ہوں تو دیکھ لے جو جی چاہے
آغوشِ اجل ہے زندگانی فانی

(۸۸)

(۸۹)

ہوں فکر تو عیشِ جاودانی کے لئے
یا کوئی دعا ہو عمرِ ثانی کے لئے
یہ کیا کہ شباب تو جنوں میں کھویا
روتے پھرتے ہیں اب جوانی کے لئے

٭

بچپن فانی تری جوانی فانی
فانی ہے تمام زندگانی فانی
اللہ سے تو لگا کہاں کی دنیا
باقی باقی ہے اور فانی فانی

(۹۰)

(۹۱)

فانی تمہیں کہتے ہیں فنا کو ڈھونڈھو
کیوں زیست پہ مرتے ہو قضا کو ڈھونڈھو
سرگرمیِ جستجوئے دنیا ہے عبث
ڈھونڈو تو فقط اپنے خدا کو ڈھونڈھو

٭

(۹۲)

کیوں منع کروں قصر بنانے کے لئے
تیرا نہیں وہ تو ہے زمانے کے لئے
ہاں فکر لحد کی لازمی ہے قدسی
آئی ہے بدن میں جان جانے کے لئے

(۹۳)

دارا ہی رہا نہ جم نہ ہے روناؤس
کسریٰ ہی رہا نہ کَے نہ ہے کیکاؤس
شاہانِ فلک نشاں ہوئے سب نابود
نادر ہی رہا نہ اُس کا تختِ طاؤس

٭

(۹۴)

دل میں روشن چراغِ ایماں کر لو
عقبیٰ کے لئے بھی کوئی ساماں کر لو
گنتی کے ہیں زندگی کے دن دنیا میں
جتنا جینا ہو زیست آساں کر لو

(۹۵)

اے خاک نشیں! بلند و بالا ہو جا
پستی سے نکل فلک کا تارا ہو جا
دنیا کا اسیر ہو کے کیا پائے گا
ہو جا ہو جا فقط خدا کا ہو جا

---

(۹۶)

آنانکہ اسیرِ حرص چون حیوان اند
در فکرِ طلا و نقرہ بس حیران اند
ہر چند نیافتند چیزے از دہر
لیکن ہمہ روز و شب ہمان خواہان اند

(۹۷)

دنیا کو وہ نازنین دیکھی میں
ایسا نہ کوئی حسین دیکھی میں
سیمیں ہے بدن مگر ہے شعلہ افگن
اس برف کو آتشین دیکھا میں

---

(۹۸)

سو حسن دکھا رہی ہے دنیا سب کو
مشتاق بنا رہی ہے دنیا سب کو
عقبیٰ کا خیال بھی نہ آئے قدسی
وہ کام سکھا رہی ہے دنیا سب کو

(۹۹)

دنیا مری نظروں سے گرادے یارب
دیوانہ حقیقت کا بنادے یارب
سمت ترا جلوہ یکتا دیکھوں
آنکھوں سے حجابات اُٹھادے یارب

(*)

(۱۰۰)

کس کام کی آہِ سرد توبہ توبہ
دل اور رہے بے درد توبہ توبہ
دنیا کی ہوس کا میل کیسا غافل
عورت کا مرید مرد توبہ توبہ

(۱۰۱)

ہر ایک کو دنیا میں ہے دنیا کی تلاش
یا اس سے ذرا ہٹ کے ہے عقبیٰ کی تلاش
لیکن مری فطرت کو ہمیشہ سے رہی
ہے خوبیِ احساسِ تمنّا کی تلاش

(*)

(۱۰۲)

ہیں صید نہیں فطرتِ انسانی کا
پابند نہیں خواہشِ نفسانی کا
کافی ہے فقیری کی چٹائی ہی ہمیں
طالب نہیں اورنگِ سلیمانی کا

(۱۰۳)

راحت مری روح کی گراں جانی ہے
سرمایۂ دل بے سر و سامانی ہے
قدری جسے بوریا سمجھتے ہیں سب
دراصل وہی تختِ سلیمانی ہے

—۰۰(※)۰۰—

از بسکہ توکل است پیرایۂ من
بے برگی و بے نوائی سرمایۂ من
جز من بہ قرینِ من نہ باشد چیزے
ہمسایۂ من بود ہمیں سایۂ من

(۱۰۴)

(۱۰۵)

نازم بکرے کہ خداداد مرا تخت و کلاہ
پیشِ نظرم نیست آں جایگاہ
گاہے نہ گذشت در دلِ من غمِ درویش
یارانِ نوازشات شد پشت و پناہ

—۰۰(※)۰۰—

اللہ کی رحمتیں بہت برسی ہیں
بے حد و حساب نعمتیں بخشی ہیں
ہیں بر لبِ آب اور پھر بھی پیاسے
انساں بھی عجب طرح کے سبھی خبطی ہیں

(۱۰۶)

(۱۰۷)

بے تاب کو تاب کون دے گا قدسی
لب تشنہ کو آب کون دے گا قدسی
اللہ کو بس پکارتا جا دل میں
رستے میں جواب کون دے گا قدسی

(*)

(۱۰۸)

تسکینِ دلِ حزیں عطا کر مجھ کو
تصویرِ کوئی حسیں عطا کر مجھ کو
ویران پڑی ہوئی ہے جاں کی بستی
خالی ہے مکاں مکیں عطا کر مجھ کو

(۱۰۹)

پردۂ رخِ زیبا سے اٹھا دو اب تو
بیتاب ہوں صورت ہی دکھا دو اب تو
بے نور نظر آتا ہے ویرانۂ دل
تسکین کی تدبیر بتا دو اب تو

(*)

(۱۱۰)

بندے کو تو فقط ہے بندۂ دعوے دار
لیکن ہے گداگری میں کچھ شرم نہ عار
اللہ سے جو مانگیے مل جاتا ہے
پھر غیر کے در پہ کیوں کھڑے ہوں بیکار

(۱۱۱)

صوفی کا یہ انجذابِ بے ذوق بے سود
مُلّا کا طریقِ کار بق بق بے سود
کچھ اور ہیں معرفت کی باتیں قدسی
یہ بحث فلاسفہ و منطق بے سود

۰۰(*)۰۰

(۱۱۲)

فطرت ہی کا نام دوسرا ہے تقدیر
قسمت کو سمجھ سکے تابِ تدبیر
قانون بدل جائے یہ ممکن ہی نہیں
تنظیم جہاں ہے اک مسلسل زنجیر

(۱۱۳)

تقدیر نے کی نہ پاسبانی میری
برباد ہوئی، مٹی جوانی میری
دنیا میں ہوا کہیں نہ چرچا میرا
پہنچی نہ کہیں کہانی میری

۰۰(*)۰۰

(۱۱۴)

ہر شے کو بیگانہ ہی بن کر دیکھا
دیکھا جب دیوانہ ہی بن کر دیکھا
عالم کو اگر ہم نے نہ دیکھیں قدسی
افسانہ کو افسانہ ہی بن کر دیکھا

(١١٥)

رکھا مجھے پائمال، ہستی صد حیف
معلوم ہے نہ تھا آل، ہستی صد حیف
ہستی کا نہیں وجود پھر بھی قدسی
ہے آج بھی انفعال، ہستی صد حیف

(*)

یہ دامنِ تر یہ پارسا ہی کیسی
یہ داغ ہی داغ یہ تپسیا ہی کیسی
رو رو کے اسے سفید کر دے قدسی
یہ آنکھ میں پتلی کی سیاہی کیسی

(١١٦)

(١١٧)

از دیدہ نہاں جلوۂ جاناں تا کے
قلبِ مغموم و چشمِ گریاں تا کے
چوں صبحِ وطن بہ ہیں جا نثار قدسی
پیشِ نظرت شامِ غریباں تا کے

(*)

حیران و پریشاں سے نظر آتے ہیں
کیوں آئینہ سامانی سے گھبراتے ہیں
کس کی یہ نگاہوں کا کرم ہے قدسی
جلووں کی شعاعوں میں گھرے جاتے ہیں

(١١٨)

(۱۱۹)

نازند کساں بہ ہاؤ ہوئے پیہم
نازند کساں بہ گریہ ہائے شبِ غم
آنم کہ جہانِ عشق از من آباد
نازم کہ طوافِ حسنِ کامل کردم

صوفی ز مقام و حال وابستہ تر
مُلّا از قیل و قال وابستہ تر
آنم کہ ز حال و قال گشتہ بیزار
ہستم بہ خیالِ خال وابستہ تر

(۱۲۰)

(۱۲۱)

ہر چند بہت منفعل تھی مے نوشی
پھر بھی رندوں نے توبہ کر ہی ڈالی
دیکھیں اس وقت دل پہ کیسی گزرے
جب کالی گھٹا فضا پہ چھا جائے گی

پھر دل میں غبار و جوشِ مستی اٹھا
پھر ذوقِ نشاط و مے پرستی اٹھا
تھا میرا ہی منتظر زمانہ قدسی
میں کیا اٹھا جہانِ ہستی اٹھا

(۱۲۲)

(۱۲۳)

گلشن میں کھلے ہیں پھول دامن بھر لو
موسم ہے بہار کا بہاریں لوٹو
کانٹوں میں کہیں الجھ نہ جانا قدسی
داماں کو بچا بچا کے چلنا سیکھو

(۱۲۴)

دورِ گل و موسمِ جوانی آیا
روزِ خوشی و رنگ شادمانی آیا
مژدہ باد اے چمن کے رہنے والو
ہنگامِ بہار و گلفشانی آیا

(۱۲۵)

دوروزہ کا فصلِ گل کو مہماں دیکھا
کچھ دیر عنادل کو غزل خواں دیکھا
پایا تو خزاں کا دورِ دورہ گلچیں پایا
دیکھا دیکھا ترا گلستاں دیکھا

(۱۲۶)

تا کے بہ چمن بہار دیدن بس بس
تا کے گلِ رنگ رنگ چیدن بس بس
تا کے بہ بہار تکیہ کردی
ایں چیست کہ بہ
تو آمدہ برائے رفتن بس بس

(١٢٧)

اے ذوقِ وصالِ یار آخر تا کے
وے شوقِ نشاطِ کار آخر تا کے
بینی کہ خزاں رسیدہ باشد روزے
قدسی بہ چمن بہار آخر تا کے

—(٭)—

اے دل طلبِ نشاطِ فانی کب تک
ہنگامۂ عیش و شادمانی کب تک
تا چند خرابِ شوقِ کیف و نغمہ
یعنی یہ فریبِ نوجوانی کب تک

(١٢٨)

(١٢٩)

اب دل میں کہاں وہ گرمجوشی کے مزے
ہو کا عالم ہے اور خموشی کے مزے
کنجِ عزلت ہے اور یادِ مولیٰ
میں ہوں اور میری جانفروشی کے مزے

—(٭)—

لفظوں میں نغماتِ جوانی توبہ
ہر حرف پہ محبت کی کہانی توبہ
ہر شعر پہ دل مست ہوئے جاتے ہیں
توبہ مری رنگین بیانی توبہ

(١٣٠)

کیا خوب رباعیاں یہ برجستہ ہیں
موضوع لطیف و نیز شائستہ ہیں
خوشبو سے مہک رہی ہے بزم شعرا
دلکش ہیں نظر فریب گلدستہ ہیں

ضمیمہ

اِصلاحی و اخلاقی رُباعیاں بھی مختلف مضامین سے چن کر بیٹے جمع کی تھیں جن کو اس مجموعہ میں بطور ضمیمہ شامل کر دیا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ ذخیرہ تمام و کمال جمع نہ ہو سکا، انشاء اللہ طبع ثانی میں یہ مکمل مجموعہ شامل ہوگا۔

ابرار

رباعی

ہر روز نیا سنا فسانہ تم نے
دیکھا بدلا ہوا زمانہ تم نے
پھر بھی رہیں بند ہی تمہاری آنکھیں
خود ہی اپنا کیا نشانہ تم نے
(۱۳۲)

رباعی

آپس میں بھی رشتۂ اخوت توڑا
بندے ہیں مگر خدا سے منہ بھی موڑا
یہ شوق تباہیوں کا توبہ توبہ
اپنی قسمت کو اپنے ہاتھوں پھوڑا
(۱۳۳)

رباعی

بے حس ہیں فقط، یہ جوش و مستی کیسی
غفلت کا اثر ہے، خود پرستی کیسی
یہ گردش و انقلابِ دنیائے دنی
مہنگی چیزیں ہیں آج سستی کیسی
(۱۳۴)

رباعی

غافل کو نہیں ہے فکر ننگ و ناموس
غفلت نے بنا دیا ہے ابلیس کا جاسوس
ذلت میں پڑے ہوئے ہیں اہل دنیا
احساس ہی جب نہیں تو کیا ہو محسوس

(۱۳۵)

رباعی

کیسی ہے یہ پُر فریب سازش توبہ
دنیا میں سکون کی ہے خواہش توبہ
مصروف ہیں اپنے اپنے کاموں میں سب
تم سر تو جمود کی ہے کاوش توبہ

(۱۳۶)

رباعی

موہوم و عبث نہیں نظامِ دنیا
حکمت سے بھرا ہوا ہے کامِ دنیا
آنکھیں ہوں تو دیکھ ہر طرف جی بھر کے
مصروفِ عمل ہے خاص و عامِ دنیا

(۱۳۷)

رباعی

ہو نامِ خدا جواں اگر لڑنا سیکھو
سایہ سے بھی اپنے آپ لڑنا سیکھو
ہے کام کا وقت کچھ تو دکھاؤ کر کے
سستی نہ کرو ذرا بگڑنا سیکھو

(۱۳۸)

رباعی

جینا ہے تو مرد بن کے دنیا میں رہو
اور چھائی ہے بزدلی تو مر ہی جاؤ
یہ کیا کہ دبے جاتے ہو ہر دشمن سے
بازو کا بھی زور کچھ دکھاؤ لوگو

(۱۳۹)

رباعی

گو تیر حوادث کا نشانہ ہو تم
پھر بھی مخلوق میں یگانہ ہو تم
گو وار سے بدترین حالت ہی سہی
کہتا ہوں کہ یکتائے زمانہ ہو تم

(۱۴۰)

رباعی

ہو جوش نہ ملّی تو مسلماں کیا
اخلاص نہ ہو دل میں تو ایماں کیا
جو خود کو نہ پہچانے وہ انساں کب ہے
ہو پھول نہ جس میں وہ گلستاں کیا

(۱۴۱)

رباعی

تو کام نہ لے سرخستگی سے اپنی
مایوس نہ ہو شکستگی سے اپنی
ہو جائے گی تیری رستگاری اک دن
مغموم نہ ہو گرفتگی سے اپنی

(۱۴۲)

رباعی

اللہ کا نام رہے مسلماں ہو جا
ظلمت سے نکل کے نور ساماں ہو جا
ہاں جوڑ لے ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے
اے عقل فروش اب بھی انساں ہو جا

(۱۴۳)

رباعی

بے جلوہ جہاں تیرا جینا کیا
بے نورِ نگاہ دیدہ بینا کیا
امروز کی فکر ہے نہ فکرِ فردا
بے کیف شرابِ ناب پینا کیا

(۱۴۴)

رباعی

روزِ روشن سیاہ کرنا سیکھا
دل کی دنیا تباہ کرنا سیکھا
اے ہند کے نوجوان مسلم! صد حیف
سیکھا تو فقط گناہ کرنا سیکھا

(۱۴۵)

رباعی

شیطان سے جو بھی ربط کر لیتا ہے
وہ اپنے حواس خبط کر لیتا ہے
ہاں، جس کو ملی ہے حق سے دانشمندی
تدبیر سے خود کو ضبط کر لیتا ہے

(۱۴۶)

رباعی

راہوں سے خبردار نہ منزل آگاہ
طوفان سے دامن میں ہو جیسے پرکاہ
ہے قوم کے ہر فرد کا قدسی یہ چال
پھر کیسے کوئی پائے کہیں جائے پناہ

(۱۴۷)

رباعی

اقوام و ملل ہوں متحد ہے اک خواب
اسلام سے وصلِ کفر، آتش و آب
نور و ظلمت ملیں یہ ناممکن ہے
پامال زمیں کہاں، کہاں ہے مہتاب

(۱۴۸)

رباعی

مرد بن اور مردِ سالم بن جا
ہر شے ہو نگاہ میں وہ عالم بن جا
ہوں لاکھ عدوئے جاں تو کیا کر لیں گے
پابندیِ دیں کے ساتھ مسلم بن جا

(۱۴۹)

رباعی

وہ دل کہ ہے دنیا کی محبت اس میں
گھر کر گئی حرصِ مال و دولت اس میں
کیا کام میں آئے وہ کسی کے قدسی
ہمت ہی نہ اس میں ہے نہ طاقت اس میں

(۱۵۰)

رباعی

مسجد کے نہ قابل ہیں نہ وہ منبر کے
جو آپ بھکاری ہیں زمانہ بھر کے
سادہ لوحوں کو کر رہے ہیں گمراہ
اور دعوۂ اتباعِ سنت کر کے

(۱۵۱)

رباعی

اک عمر فریبِ اہلِ تقویٰ کھایا
اچھوں کے لباس میں نہ اچھا دیکھا
دنیا میں نہیں کسی کا کوئی قدسی
جس کو پایا غرض کا بندا پایا

(۱۵۲)

رباعی

دنیا کے ہر اک رنگ میں دھوکا نکلا
سمجھے تھے جسے پھول وہ کانٹا نکلا
جانا جسے پارس بظاہر بیٹھے
جب کام پڑا ریا کا پیتل نکلا

(۱۵۳)

رباعی

رہبر ہیں اسیرِ خود نمائی توبہ
غیرت ہے نہ پاسِ حق شناسی توبہ
تہذیبِ جدید کی پرستاری ہے
تہذیبِ قدیم سے ہیں عاری توبہ

(۱۵۴)

رباعی

سوتے ہوئے فتنوں کو جگا دیتے ہیں
جاگی ہوئی قسمت کو سُلا دیتے ہیں
معکوس ترقی میں ہوئے ہیں مشاق
بنتے ہوئے کاموں کو مٹا دیتے ہیں

(۱۵۵)

رباعی

جو لوگ منافق ہیں مسلمان نہیں
حیوان ہیں حیوان ہیں انسان نہیں
دنیا میں وجود ان کا رہے گا جب تک
آپس کی موافقت کا امکان نہیں

(۱۵۶)

رباعی

صیّاد نہ ظلم جی بہلنے کے لئے
آتی ہے بُری گھڑی نہ ٹلنے کے لئے
بنیاد میں جس شاخ کی صیّادی ہے
وہ شاخ نہیں پھولنے پھلنے کے لئے

(۱۵۷)

رباعی

تو جائے گا کس منہ سے سوئے ربّ قدیر
سر تیرا جھکا نہ گر سے تربت پذیر
کیا کھو دی گئی ہے عقل تیری مُلحد
اللہ کو چھوڑ کر ہوا ہے بت گیر

(۱۵۸)

رباعی

عرقی کے سوا نہیں ہے پلک و اموال
پھر بھی وہ بنے ہوئے ہیں غوث و ابدال
مستغنی دین و فارغ دنیا ہیں
ہاتھوں میں ولایت کا لئے اندرجال
(۱۵۹)

رباعی

قیصر نہ بنے کوئی نہ فغفور بنے
کیوں ہیچ مسرتوں پہ مغرور بنے
تم کام کی زندگی اسی کو سمجھو
روزی یہی اچھی ہے کہ مزدور بنے
(۱۶۰)

رباعی

دامن میں جو عیبوں کو چھپا لیتے ہیں
سو نیکیاں وہ مفت کما لیتے ہیں
یہ کام بڑی ہمّت و جرأت کا ہے
انساں ہی یہ بار اٹھا لیتے ہیں

(۱۶۱)

ناشر

سیّد ابرار حبیب مدیر مکتبہ ناصریہ

آستانہ مُبارک بھوپال